إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَر

ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا

خطیبُ الکوثر

علامہ ضمیر اختر

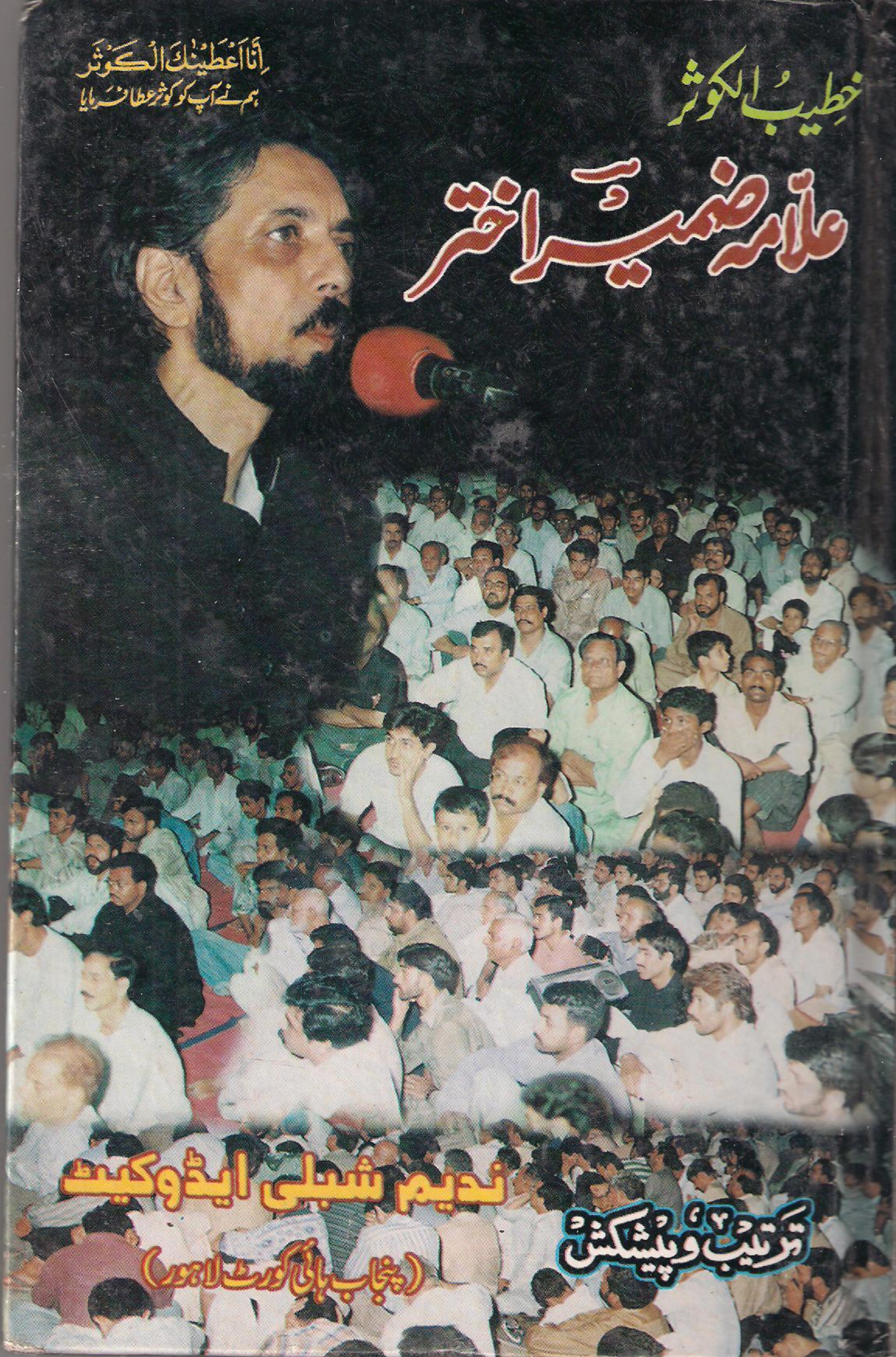

ترتیب و پیشکش

ندیم شبلی ایڈووکیٹ

(پنجاب ہائی کورٹ لاہور)

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

هم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا

خطیبِ الکوثر

علّامہ ضمیر اختر

-: ترتیب و پیشکش :-

ندیم شبلی ایڈووکیٹ

(پنجاب ہائی کورٹ لاہور)

سنِ اشاعت:- ۲۰۰۱ء

کتاب ملنے کا پتہ:-
I-4 نعمان ٹیرس فیز 3 گلشنِ اقبال بلاک 11
کراچی ـــــــ فون نمبر 8112868

شبلی پبلیکیشنز ـ ۹۹۳ ـ بی، غلام محمد آباد
فیصل آباد ـــــــ فون نمبر ۶۸۰۴۷۰ ـ ۰۴۱

علاّمہ ضمیر اختر نقوی مدظلہ سورج ہیں
سورج کے آگے چراغ کی کیا حقیقت!

ندیم شبلی ایڈوکیٹ
۶/اپریل ۲۰۰۱ء

حضرتِ جوشؔ ملیح آبادی نے ایک خط میں
علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کو اس طرح
خراجِ عقیدت پیش کیا ہے :-

تیرا وجود فخرِ ضمیرِ حیات ہے
تو محض ایک فرد نہیں کائنات ہے

جوشؔ

پیش لفظ

رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کی مجالسِ تفسیرِ قرآن امام بارگاہِ چہاردہ معصومین (انچولی سوسائٹی) میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ تمام سامعین جو علامہ ضمیر اختر نقوی مدظلہ العالی کی تقاریر مسلسل کئی برسوں سے سُن رہے ہیں اور خاص کر ہر سال تفسیرِ قرآن کی مجالس کے حوالے سے علامہ ضمیر اختر نقوی کے فن اور ان کی شخصیت پر مقالے لکھیں اور اس میں بہترین مقالوں پر اوّل، دوم اور سوم انعامات دیئے جائیں گے۔ مقالے پیشِ خدمت ہیں۔ ان میں ہر سامع نے اپنے دل کی گہرائیوں اور سچے جذبۂ خلوص کے ساتھ اپنے تاثرات قلم بند کردیئے ہیں، اس لئے کہ دانشوروں، ادیبوں اور فنکاروں سے زیادہ ان سامعین کی رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے جو مسلسل کسی ادیب، کسی دانشور اور کسی فنکار کی استعداد، علمیّت، فن، ہُنر، تجربہ اور افکار کا مشاہدہ کررہے ہوتے ہیں اور چونکہ یہ حقیقت ہے کہ ان کے ذہنوں میں بھی ایک تاثراتی خاکہ اس شخصیت سے متعلق ترتیب پاچکا ہوتا ہے لہٰذا اُن کے اس تاثراتی خاکے کو قرطاس پر لانا بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

ادیبوں، دانشوروں، قلمکاروں، خطیبوں اور علماء کی آراء علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے بارے میں پہلے ہی منصۂ شہود پر آچکی ہیں اور اب علامہ صاحب کے مستقل سامعین کی آراء بھی پیشِ خدمت ہیں۔ اس تقریب میں جو کہ مجالسِ تفسیرِ قران کی آخری مجلس یعنی ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو منعقد ہوئی لکھے ہوئے مقالے بھی پڑھے گئے اور کچھ سامعین نے تقاریر بھی کیں۔

علی ابرار نقوی اور آلِ رضا رضوی عرف جمّو کو ان کے مقالوں پر مشترکہ طور پر پہلا انعام دیا گیا۔

جاوید عباس جعفری کو دوسرا انعام دیا گیا۔

نقی حسین نقوی اور میجر منوّر جعفری صاحبان کو مشترکہ طور پر تیسرا انعام دیا گیا جبکہ راضیہ عسکری اور ثروت عسکری کو خصوصی انعامات دیئے گئے۔

منصفین کے پینل میں، پروفیسر افضال حسین نقوی فضل فتح پوری (کالم نگار انگریزی روزنامہ ڈیلی نیوز) پروفیسر طہیر نفسی (پروفیسر اردو آرٹس کالج، شعبۂ نفسیات) آلِ محمد رزمی، پروفیسر ظلِ صادق (مرثیہ نگار، تنقید نگار) شامل تھے۔ ان منصفین کو بھی اعزازات پیش کیئے گئے۔

یہ اعلان بھی کیا گیا کہ تنقیدی مضمون بھی اگر کوئی صاحب لکھنا چاہیں تو وہ بھی اس تقریبِ اعزاز میں شامل کیا جائے گا۔ اس دن تو کوئی مضمون نہیں آیا لیکن عرصۂ دراز کے بعد ایک لاوارث پرچہ مخالفت سے پُر سامنے آیا، لیکن اس میں صرف گالیاں بکی گئی تھیں اور اس میں علاّمہ صاحب کی ذات کے علاوہ، ان کے خاندان کے افراد، ان کے احباب اور ان کے چاہنے والوں کو ہدف بنایا گیا تھا جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ علاّمہ صاحب کے مخالفین صرف جہلاء ہیں جن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ تنقید میں اور گالی میں فرق ہے اور ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جو ایک صاف ستھرا اور بھرپور تنقیدی مضمون لکھ سکے۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ چھتڑا (پرچہ) تیار کرنے کے لئے 15 سے 20 آدمیوں کا بورڈ بیٹھا تھا۔ اندازہ لگایئے کہ پندرہ بیس آدمیوں کا بورڈ بیٹھنے پر بھی صرف چند سطریں ہی مخالفت میں لکھ پایا اور اس میں بھی کوئی علمی، فکری، فنی اور ہنر سے متعلق بات نہیں کی گئی بلکہ ذاتیات کے حوالے سے گالیاں بکی گئیں۔ اس کا جواب اور بھرپور جواب اور ایسا جواب جو طمانچہ برخسار ہوگا دیا جائے گا۔ (انشاءاللہ)

بہرحال مضامین پیشِ خدمت ہیں خوش ہونے والے اور علم سے محبت کرنے والے خوش ہوں گے اور ہر حال میں حاسد اور جلنے اور کڑھنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک اور مصروفیت کا باعث بن جائے گی۔"

حضرت علیؑ کا ایک شعر آخر میں ضرور کوڈ کیا جارہا ہے اور وہ یہ ہے:-

رضینا قسمت الجبار فینا لنا علمٌ وللجهال مالٌ

فإنّ المال یفنیٰ عن قریبٍ وَانّ العلم یبقیٰ لا یزالٌ

مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں:-

"ہم پروردگار کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم سے نوازا اور جاہلوں کو مال سے نوازا۔ پس مال جلدی ختم ہونے والی چیز ہے اور علم ابدالآباد تک باقی رہنے والا ہے۔"

نوٹ:- یہ آراء کراچی کے سامعین کی ہیں انشاءاللہ العزیز پنجاب کے سامعین، ہندوستان کے سامعین، لندن کے سامعین، امریکہ کے سامعین اور دیگر ممالک کے سامعین کی آراء الگ الگ کتابوں میں شائع کی جائیں گی۔

فہرست

۱	قدرِ ضمیر	ڈاکٹر ماجد رضا عابدی	۱۱
۲	باضمیر رہبر	میجر منوّر جعفری	۱۶
۳	یہ تہذیب، یہ باتیں، یہ اخلاقی قدریں	ڈاکٹر جعفر محسن	۱۹
۴	ضمیرِ علم وادب	مولانا کمال حیدر رضوی	۲۲
۵	بامقصد خطابت	زائر حسین نقوی	۲۴
۶	آستانۂ علم وادب	سیّد قائم رضا نقوی	۲۶
۷	قوم کی عزّت کا سوال	آلِ محمد رزمیؔ	۲۹
۸	انسانیت کا اُجالا	سیّد جاوید عبّاس جعفری	۳۳
۹	علم کا سمندر	نسیم حسن عرف چھٹّن امروہوی	۴۰
۱۰	علم ہی علم کی باتیں	راجہ غلام عبّاس	۴۳
۱۱	خطابت کی معراج	سیّد علی ابرار نقوی	۴۵
۱۲	علاّمہ صاحب کی خطابت	سیّد مشتاق حیدر زیدی	۴۹
۱۳	خطابت کا سمندر	نقی حسین امروہوی	۵۲
۱۴	نامور خطیب	سیّد صغیر احمد نقوی	۵۴
۱۵	علاّمہ صاحب کا فنِ خطابت	سیّد شہریار حسنین نقوی	۵۶
۱۶	خطیبِ آعظم	سیّد محمد علی	۵۹
۱۷	Appreciation	ذکی عابدی	۷۲
۱۸	پیکرِ محبت	سیّد مبارک حسین رضوی	۷۳
۱۹	بابِ خطابت	نقی حسین امروہوی	۷۹
۲۰	پیکرِ علم وعقل	مصطفےٰ زیدی	۸۴

۲۱	میرا مشاہدہ	سیّد محمد عبّاس نقوی	۹۴
۲۲	اس عہد کے عظیم خطیب	ڈاکٹر جعفر محسن	۹۷
۲۳	The Unmatched Orator	ذکی عابدی	۹۸
۲۴	جنت کا پیغام	قمر عبّاس	۹۹
۲۵	ذاکرِ دوراں و یکتا	انور شاہ جی	۱۰۰
۲۶	یعسوبِ فکر	آلِ رضا عرف جمّو	۱۰۱
۲۷	عِلم کی معراج	سیّدہ زرّین فاطمہ	۱۰۳
۲۸	ایک ذاکر	سیّد حسین حیدر	۱۰۵
۲۹	سچّی خطابت	سیّد افتخار حیدر نقوی	۱۰۷
۳۰	ضمیر اختر صاحب کی شخصیت	میثم حسین نقوی	۱۰۹
۳۱	ضمیرِ خطابت	سیّد عدنان حیدر جعفری	۱۱۱
۳۲	فنِ خطابت	سیّد نیر عبّاس نقوی	۱۱۴
۳۳	خود اعتمادی	ثروت عسکری زیدی	۱۱۸
۳۴	عظیم مُفکّر	سیّد عدنان حسین رضوی	۱۲۱
۳۵	ڈاکٹر ضمیر اختر کی خطابت	سیّد علی مظفر	۱۲۴
۳۶	تاریخ ساز شخصیت	مس راضیہ عسکری	۱۲۶
۳۷	خطابت اور شخصیت	سیّد حسن رضا نقوی	۱۲۹
۳۸	الہامی خطابت	سیّد رضی حیدر زیدی	۱۳۲
۳۹	علّامہ صاحب کی خطابت	سیّد عمران رضا کاظمی	۱۳۴
۴۰	خطیبِ اعظم	سیّد محمد علی	۱۳۶
۴۱	علّامہ صاحب کی شخصیت	سیّد قمر عبّاس جعفری	۱۳۹
۴۲	شخصیت اور خطابت	ارتضٰی حسین	۱۴۰
۴۳	دعائیں	والدہ ذوالفقار علی	۱۴۱

(۴۴)	بالکل اچھوتا انداز	سیّد نظیر عبّاس نقوی	۱۴۲
(۴۵)	تمام علوم پر دسترس	عادل عبّاس	۱۴۳
(۴۶)	پُرکیف خطابت	سیّد علی حیدر	۱۴۴
(۴۷)	روشن چراغ	شاہ زیب ضیغم عبّاس	۱۴۵
(۴۸)	منفرد لب ولہجہ	سیّد مظہر حیدر رضوی	۱۴۶
(۴۹)	میری دعا ہے	حسن	۱۴۷
(۵۰)	دوسرا ذاکر ہمیں پسند نہیں	عمران حیدر	۱۴۸

حصّہ نظم

(۵۱)	مثالِ چشمۂ زمزم	حضرت سحؔن فتح پوری	۱۵۰
(۵۲)	نذرِ علاّمہ ضمیر اختر	پروفیسر طہیر نقسؔی	۱۵۱
(۵۳)	تاجدارِ سلطنتِ خطابت	پروفیسر ظلِّ صادق	۱۵۲
(۵۴)	لفظ و معنی کا سمندر	ماجد رضا عابدی	۱۵۴
(۵۵)	در توصیف علاّمہ صاحب	سیّد محمد عبّاس صادق جعفری	۱۵۶
(۵۶)	احسان ضمیر بر نسلِ جدید	سیّد محمد عبّاس صادق جعفری	۱۵۹
(۵۷)	اعتراف و تحسین	قسیم ابن نسیم امروہوی	۱۶۲
(۵۸)	ہشت پہلو شخصیت	عابد رضا	۱۸۵
(۵۹)	تعصّبات کا خاتمہ	سیّد سجاد شبیر رضوی	۱۹۰

ہاں بادہ کشو! پوچھ لو مے خانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آ گئی ہے خُلدِ بریں سے
(میر انیسؔ)

سیّد ماجد رضا عابدی

"قدرِ ضمیر"

اپنے محسن کی ثنا کرتی ہیں زندہ قومیں
بدلہ احساں کا ادا کرتی ہیں زندہ قومیں

علاّمہ ضمیر اختر نقوی مدّظلہ العالی کی قلمی کاوشوں اور ادبی لیکچرز پر دنیا کے بڑے بڑے ادیب اور دانشور اپنی تحریرات قلم بند کر چکے ہیں اور یہ تمام نگارشات کتابی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن خطابت کا گوشہ ایک ایسا گوشہ ہے کہ جو صریحاً سماعت سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر وہ بہترین رائے دے سکتا ہے جو مسلسل مجلسیں سُن رہا ہو یعنی علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی تقریروں پر اور فنِ خطابت پر اُن کے مستقل سامعین جو مودّت اور محبت و معرفت کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مجالس سنتے ہیں وہ ہی رائے دے سکتے ہیں یہ اعزاز صرف علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب ہی کے پاس ہے کہ اُن کے سیکڑوں کی تعداد میں مخصوص سامعین ہیں جو ہر حال میں جہاں بھی علاّمہ صاحب تقریر کر رہے ہوں ضرور پہنچتے ہیں اور یہ بات کسی بھی ذاکر میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ علم کی بلندیوں پر فائز ہو۔

ہم نے یہ طے کیا کہ علاّمہ صاحب اپنے سامعین پر جو علم کے بیش بہا موتی بغیر صلہ طلبی لٹا رہے ہیں تو ہمیں بھی کچھ نذرانہ عقیدت و محبّت علاّمہ صاحب کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ اپنے سامعین دوستوں کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے ایک پروگرام ترتیب دیا جائے جس میں علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی شخصیت اور فن پر سامعین سے مقالہ جاتی آرا طلب کی جائیں تا کہ قوم پر جو علاّمہ صاحب کا قرض ہے وہ بھی ادا ہو جائے اور ایک عام سامع کے مبلغ علم اور اسلوب تحریر کی بابت علم بھی ہو جائے اور پھر قوم کو یہ معلوم

ہو کہ مکتب و دبستانِ علامہ ضمیر اختر نقوی سے تعلق رکھنے والے لوگ کسی ادیب اور دانشور سے کم نہیں ہیں اور یہ مضامین اور مقالے پڑھنے اور زبان و بیان کی شستگی اور شائستگی دیکھنے کے بعد آپ خود اندازہ لگائیں گے کہ علامہ صاحب کا ایک ایک سامع بذاتِ خود کسی پی ایچ ڈی ڈاکٹر سے کم نہیں۔ سامعین سب سے بڑے نقاد ہوتے ہیں اور ایک خطیب کو سامعین ہی بناتے ہیں لیکن یہ عمل ہر جگہ وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ وہیں ہوتا ہے جہاں ایک سامع اپنے خطیب کے ذہن سے قریب تر ہونے کے لئے اس کی ہی علمی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہو اور ذہن کی تربیت اس انداز سے کر رہا ہو کہ دوسروں سے ممتاز و ممیّز نظر آئے۔

شہرت یہ نہیں کہ کئی لوگ آپ کو جانتے ہوں بلکہ اصل شہرت وہ ہوتی ہے کہ جس شعبے سے آپ تعلق رکھتے ہوں اس شعبے سے تعلق رکھنے والا ہر بڑا اور ہر چھوٹا آدمی چاہے دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہو وہ آپ کو جانتا ہو، اس وقت دنیائے ادب کی اور دنیائے خطابت کی کوئی شخصیت ایسی نہیں کہ جو علامہ ضمیر اختر نقوی کی مدّاح اور معترف نہ ہو۔ قوم کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ قوم آج ۹۵ فیصد جہلا کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے، یہ ۹۵ فیصد جہلا جن میں ٹرسٹیز Trustees تو ہیں ہی، نام نہاد علما بھی ہیں اور Cheaters بھی ہیں وہ جس طرح چاہتے ہیں فیصلے کرتے ہیں اور قوم کو جاہل بنانے کا عمل جاری کئے ہوئے ہیں اس لئے کہ اگر قوم میں علم آگیا تو پھر اُن کی کون سُنے گا۔ سوچنا یہ ہے کہ ہماری قوم اکیسویں صدی میں کیا لے کر داخل ہو رہی ہے۔ فرانس کا مشہور فلسفی Sarther سارتر جو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا فلسفی مانا جاتا ہے، اتنا بڑا فلسفی کہ اُس سے ملاقات کے لئے ایک ایک مہینے پہلے لوگ فرانس جاکر ہوٹل بُک کرواتے ہیں اور رہتے ہیں اور جب ملاقات کی باری آتی ہے تو انٹرویو اور Lectures سنتے ہیں اس سے ملاقات کے لئے ایک ایک برس پہلے وقت لیا جاتا ہے یعنی اُس قوم کے پاس اتنا بڑا نمائندہ موجود ہے لیکن شیعہ قوم کے پاس کیا ہے، کوئی اتنا عظیم و شہرت یافتہ فلسفی ہے آپ کے پاس؟ آج ہماری قوم میں غیبت، عیب جوئی، بے جا تنقید، علم دشمنی، جہل پروری اور سب سے بڑھ کر نا قدری کے سوا کیا ہے، جس کی شکایت میر انیسؔ نے آج سے سو برس پہلے کی تھی۔

ناقدریٔ عالم کی شکایت نہیں مولا　　کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا　　میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدّر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

اب سوچئے جب سو(۱۰۰) برس پہلے یہ عالم تھا تو آج کیا حال ہوگا؟ جو قوم اپنی ملت کے گوہرِ نایاب کو نہ پہچان سکے، تفو ہے اس قوم پر، جو قوم کھوکھلے لوگوں کی معیّت اور شراکت پر فخر کرتی ہو، جس قوم کے رہنما Beaurocracy، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، وزیر اعلیٰ اور دیگر لوگوں کی ملاقات کو فخر جانتے ہوں اور ان سے ایک ملاقات کرنے اور تصویر کھچوانے کے لئے ان کے P.A اور چپراسیوں کو رشوتیں دیتے ہوں تا کہ کمشنر سے شکر (Sugar) کا کوٹہ مل جائے اس سے سوائے جہالت کے کیا امید کی جاسکتی ہے اپنے محسنوں کی قدر نہیں کر رہے، اپنی قوم کے بڑے لوگوں اور عالموں سے اور ذاکرینِ حسینؑ سے دشمنی کر رہے ہیں۔ آج محرّم میں ہمارے مرکزی منبر سے کیا پیغام دیا جارہا ہے یعنی ۲۱ رمضان المبارک کا ایک دن بین الاقوامی Plat-form سے فضائل علیؑ بیان کرنے کا ایک موقع ہوتا ہے وہ بھی اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ضائع کر دیا جاتا ہے یعنی قوم اپنا رشتہ حاکم شام سے جوڑ رہی ہے جو ذکرِ علیؑ کا دشمن تھا جس نے چالیس (۴۰) ہزار منبروں سے علیؑ پر سب و شتم کیا تو کیا یہ موقع نہیں ہے کہ ہم اس سب و شتم کا یوں بدلہ لیں کہ اگر قوم اپنی بزدلی اور نامردی کی وجہ سے معاویہ پر لعنت نہیں کر سکتی تو کم از کم اس شدّت سے علیؑ کے فضائل بیان کئے جائیں کہ تاریخ میں ان چالیس ہزار منبروں کے پرخچے اڑ جائیں۔

اب بھی وقت ہے پہچان لیجئے کون علم دے رہا ہے اور کون جہل کو پروان چڑھا رہا ہے بے سروپا پروپیگنڈے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بے جا تنقید کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جو بڑے لوگوں پر تنقید کر کے اپنے قد بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں، گلیوں کے نکڑوں پر کھڑے ہونے والے، کھیل تماشے کے شوقین، محلّے کی آڑ میں چندہ اکٹھا کر کے گھر کا خرچہ چلانے والے، قوم کے ہر پلیٹ فارم اور فن کی ہر سیڑھی سے مسترد شدہ لوگ سوائے حسد اور جلن کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ خدا کی قسم علم کا اگر معاملہ ہو اور کسی قوم سے آپ کا مقابلہ ہو جائے

تو سوائے علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جو قوم کا بھرم قائم رکھ سکے۔ اس کی مثالیں آپ اس کتاب میں شائع ہونے والے مقالہ جات میں گاہے بگاہے پڑھ لیں گے۔

یہ تو ہر جگہ ہوتا ہے کہ کسی بھی بڑی شخصیت کے انتقال کے بعد سوئم اور چہلم میں رجسٹر رکھ دیا جاتا ہے اور تعزیتی پیغامات درج کروائے جاتے ہیں۔ لیکن علاّمہ ضمیر اختر نقوی مدّ ظلّہ العالی کے سامعین نے یہ تقریبِ اعتراف و تحسین بہ اعزاز ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی مدّ ظلّہ العالی ان کی زندگی میں منعقد کر کے قوم کو لمحہ فکریہ اور دعوتِ عمل دی ہے کہ اپنے محسنوں کی قدر اُن کی زندگی میں کرو۔ اس قسم کی کوئی بھی تقریب یا سیمینار جب منعقد ہوتا ہے اور اگر وہ پروگرام طویل ہو تو دو نشستوں میں اس کو تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ لوگ بوریت کا شکار نہ ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تقریبِ اعتراف و تحسین بہ اعزاز ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی مدّ ظلّہ العالی تاریخِ ادب و تاریخِ مذہب میں واحد تقریب تھی جو مسلسل بغیر کسی وقفے کے ۶ گھنٹے جاری رہی اور تمام سامعین مستقل ۶ گھنٹے بیٹھے رہے گویا اپنے محسن کو اس بات کا یقین دلاتے رہے کہ ہم آپ کی اس مودّت، اس معرفت اور اس علم کے شکر گزار ہیں جو آپ نے پھولوں کی صورت میں ڈھال کر ہم پر نچھاور کر دیے ہیں۔

اس اعتراف و تحسین کے سلسلے کی پہلی تقریب اب سے کئی برس قبل آرٹس کونسل میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت سیّد ہاشم رضا نے کی۔ اس میں علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی شخصیت اور فن پر بولنے والوں اور مقالہ پڑھنے والوں میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، پروفیسر سحر انصاری، ڈاکٹر عالیہ امام، پروفیسر سردار نقوی، ڈاکٹر محمّد رضا کاظمی، جئے سندھ تحریک کے رشید رضوی، ماجد حسین رضوی، علاّمہ ذوالفقار حیدر نقوی، آلِ محمد رزمیؔ، عین الرّضا، راقم الحروف اور دیگر زعمائے ادب شامل تھے۔ دوسری تقریب رضا ایسوسی ایٹس کے مینجنگ ڈائریکٹر سیّد ناصر رضا رضوی کی قیام گاہ واقع گلشنِ اقبال میں منعقد ہوئی جس میں شاعرِ آلِ محمّدؐ نسیمؔ امروہوی کے صاحبزادے قسیمؔ امروہوی نے ادب کا پہلا اعترافی مسدّس جو انھوں نے علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی شخصیت اور فن پر ۱۰۱ بند پر مشتمل ہے وہ پیش کیا، اس کی نظامت راقم الحروف نے کی۔ حاضرینِ محفل میں شاعرِ پاکستان صہبا اختر (مرحوم)، علاّمہ عباس کمیلی، سیّد ہاشم رضا، پروفیسر سحرؔ انصاری، ڈاکٹر محمد رضا کاظمی، علاّمہ فرقان حیدر عابدی، علاّمہ نواب حیدر عابدی،

محشر لکھنوی، زائر امروہوی، محسن امروہوی، مبلغِ دین فرزند رضا رضوی، ماجد حسین رضوی اور دیگر زعمائے ملت نے شرکت کی۔ اس سلسلے کی یہ تیسری تقریب تھی جو امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ میں ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو منعقد ہوئی اور اس میں جو مقالے پڑھے گئے وہ پیشِ خدمت ہیں مُنصّفین حضرات میں ملک کے نامور صحافی فضل فتح پوری، پروفیسر طہیر نفسی، پروفیسر ظلِّ صادق اور آلِ محمد رزمی شامل تھے۔ یہ تقریب شب ۸ بجے شروع ہو کر رات ۲ بجے اختتام پذیر ہوئی اور آخر میں مقالہ نگاروں کو خصوصی Shields پیش کی گئیں۔

(۱۶)

میجر منوّر جعفری (گلستان جوہر)

باضمیر رہبر

میں محض تبرکاً یہاں حاضر ہوا ہوں، اس بڑھیا کی طرح جو ہاتھ میں تھوڑی سی روئی لے کر اس لئے آگئی تھی کہ حضرت یوسفؑ کے خریداروں میں اس کا نام بھی شامل ہو جائے۔ میں نہ کوئی خطیب ہوں اور خاص طور پر علاّمہ صاحب کی موجودگی میں اور آلِ محمد رزمی صاحب کی موجودگی میں کچھ کہوں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ جب علاّمہ صاحب کل مولا کی خدمت میں یہ گواہیاں لے کے جائیں تو اس میں میری ایک ادنیٰ سی گواہی بھی شامل ہو۔ تقریر تو میں لکھ کر نہیں لایا بہرحال جو کچھ فی البدیہہ میں عرض کرنا چاہوں گا ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو یہ چیزیں گراں بھی گزریں اور بہت سے متعصب ذہن یہ سمجھتے ہوں کہ آج کی جو یہ محفل ہے یہ علاّمہ صاحب کی خودنمائی یہ خودستائی کے لئے منعقد کی گئی ہے ایسا سمجھنا میں سمجھتا ہوں کہ نہ صرف زیادتی ہے بلکہ اپنی ذہنی بخالت اور علمی بددیانتی ہو گی۔ علاّمہ صاحب کی جو میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑی Contribution ہے وہ یہ کہ شیعہ قوم میں جو وہابیت آگئی تھی اس کے آگے اگر یہ بند نہ باندھتے اور یہ واحد خطیب ہیں کہ جو بغیر کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر کسی سیاست کے، بغیر کسی حکومتی ہتھکنڈے کے یہ کارنامہ اگر وہ انجام نہ دیتے تو شاید عزاداری ختم تو نہیں ہو سکتی تھی لیکن کمزور ضرور ہو جاتی۔ علاّمہ صاحب کی پہلی مجلس میں نے ۱۹۸۳ء یعنی سترہ (۱۷) برس پہلے سنی تھی اور اس وقت سے میں یہیں پر ہی ہوں علاّمہ صاحب کو بہت زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع تو مجھے نہ مل سکا لیکن حتی الوسع یہی کوشش ہوتی ہے کہ جہاں یہ مجلس پڑھیں وہاں میں جاؤں دیگر مجالس میں بھی میں جاتا رہا ہوں بغرضِ حصولِ ثواب کیونکہ

وہاں سے مجھے کوئی علم نہیں مل پایا اور یہ حقیقت بھی ہے۔ علاّمہ صاحب کو میں ایک امین کی حیثیت سے پہچانتا ہوں کہ جو کچھ مولاؑ نے ان کو دیا انہوں نے بغیر خیانت کے آپ تک پہنچایا۔ بظاہر یہ کمزور سے نظر آنے والے انسان اندر سے کتنے مضبوط ہیں یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں یا اب جان گئے ہوں گے یہ جو مجالس آپ نے سُنی ہیں کہ بغیر کسی مصلحت کا شکار ہوئے علاّمہ صاحب نے حق بات کہنے میں کبھی بھی کوئی کوتاہی نہیں کی اور اس بات کے ہم سب گواہ ہیں چونکہ دو موضوع تھے ایک علاّمہ صاحب کی شخصیت اور ایک خطابت تو شخصیت کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا اور جو الفاظ آپ نے ابھی یہاں سنے وہ واقعاً علاّمہ صاحب ہی پر موزوں تھے۔ اور ان کے لئے ہی تخلیق کئے گئے تھے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج جو شیعہ قوم مختلف Camps میں تقسیم ہو کر رہ گئی اور ایک عام سیدھا سادا سا شیعہ، سرگرداں ہے او ریشان پھر رہا ہے اور یہ سب ذاتی نام و نمود اور نام نہاد رہبران کی وجہ سے ہو رہا ہے تو کیوں نہ آج ہم اس چیز کا اعلان کریں اور اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم ایک ایسا رہبر بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رحمت مولا ہے کہ جو بغیر کسی انعام کی لالچ میں، نہ کسی خوف کی وجہ سے، نہ کسی مصلحت کی وجہ سے حقِ مولا ادا کر رہے ہیں اور ایسا بے لوث، سچا اور باضمیر رہبر ہمیں ملا ہے تو کیوں نہ ہم اپنا مقدر ان کے حوالے کرتے ہوئے شیعہ قوم کو کہ جس پریشانی میں یہ پھر رہی ہے، اپنی منزل کی تلاش میں ہے اس کو جاننا چاہیے کہ علاّمہ صاحب ہی کی شخصیت وہ ہے کہ جو آپ کو معرفت کی راہوں سے نجف تک لے جائیں گے۔ یہ تمام باتیں میرا فرض بھی تھا اور علاّمہ صاحب کا میرے اوپر قرض تھا ورنہ اکثر ایسی محفلیں مرنے کے بعد کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں Dinner پر ہوتی ہیں اور وہ بھی رسماً اور ان کا تعلق زیادہ تر کھانے پینے اور Social Life سے ہوتا ہے اور ان کی خوش قسمتی ہے کہ ایسی ان کی اعترافی مجلس عزاخانے میں ہو رہی ہے جہاں کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کسی بھی شخصیت کو دیکھنے اور پرکھنے کے لئے دو پہلو ہوتے ہیں ایک اس کی Personal Life اور دوسرے اس کی Public Life یا علاّمہ ضمیر اختر صاحب کے حوالے سے مجلسی زندگی کو، چونکہ ہماری یہ نفسیات ہے کہ ہم کسی کی ذاتی زندگی میں زیادہ جھانکنے کی کوشش کرتے ہیں اور جھانکتے میں یہ بھول جاتے ہیں کہ کیا کہہ رہا تھا بلکہ یہ یاد رکھتے ہیں کہ کون کہہ رہا تھا اور الحمدللہ میں سمجھتا ہوں کہ علاّمہ اس پہلو میں بھی کامیاب رہے کہ کوئی ان پر انگلی نہیں اٹھا

سکتا اور جہاں تک ان کی خطابت کا تعلق ہے ابھی پرسوں میں ایسے ہی گھر میں بات کر رہا تھا تو میری بیٹی کہنے لگی کہ "پپا آپ یہ بھی تو دیکھئے کہ علاّمہ نے ایک عزادار کو کتنی عزت اور توقیر بخشی ہے یہ کسی اور نے آج تک ہمیں نہیں بتایا کہ ہم عزاداروں کی بھی کوئی وقعت اور قدر و قیمت ہے تو اس لئے نہ صرف یہ کہ مولانا کامیاب ہیں اس میں جو Mission یہ لے کر چلے تھے خاص کر بچوں میں آلِ محمدؐ کی محبت جگانے میں ایک عظیم شمع یہ روشن کر کے جا رہے ہیں اور اگر ان کی خطابت کا جائزہ لینا ہو تو عموماً ہمارے پاس تو ایسا کوئی پیمانہ نہیں ہے عصرِ حاضر کے جتنے بھی خطیب یا علما ہیں ان کو دیکھ لیں بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ان سب کو جمع کر کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو تب بھی علاّمہ کا پلڑا بھاری نظر آئے گا۔

علاّمہ ضمیر اختر صاحب کی خطابت میں خصوصاً واقعہ نگاری یا منظر کشی میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سامع خود اس واقعے کا ایک ایسا حصہ ہو اور جتنے بھی علوم خاص طور پر علاّمہ صاحب آج کل Computer پر زیادہ زور دے رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ جتنا عبور ان کو علم نفسیات کے اوپر ہے کسی اور خطیب کو نہیں ہے اور یہ غلط ہے کہنا کہ علاّمہ کے الفاظ اور زبان میں جادو ہے، جادو نہیں ہے بلکہ مستی ہے اور یہاں سے کچھ لے کے آدمی اٹھتا ہے اور جب سامع ان کی ایک یا دو تقاریر سُن لے تو یہاں سے بحیثیت سامع نہیں جاتا بلکہ نُصیری بن کے جاتا ہے۔

ڈاکٹر جعفر محسن (جنرل سیکریٹری مسجد و امام بارگاہ آلِ عبا ٹرسٹ)

''یہ تہذیب، یہ باتیں، یہ اخلاقی قدریں''

میں کل شام ہی ایران، عراق اور شام کی زیارتوں سے واپس آیا اور جب ہم ۲۰۰۰ء کا آغاز کرنے مشہدِ مقدس پہنچے یکم جنوری کو ساری زیارتیں ختم کرنے کے بعد یعنی جب ہم نے ۷ رمضان جنابِ زینبؑ کے حرم میں گزارا تو علامہ ضمیر اختر صاحب کی تقریر یاد آئی حضرت فاطمہؑ بنت اسد کے موضوع پر، ہم نے جب ۱۰ رمضان جنابِ زینبؑ کے حرم میں گزارا تو ہمیں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے موضوع پر علامہ صاحب کی تقریر یاد آئی۔ اگر ۱۴ اور ۱۵ رمضان کو کربلائے معلّٰی حرم امام حسینؑ میں قدم رکھا تو اس وقت بھی امام حسنؑ کی شان میں علامہ صاحب کی وہ تقریریں یاد آئیں جو ہم زندگی بھر نہیں بھلا سکتے۔ اور جب ہم ۱۹، ۲۰ اور ۲۱ رمضان کو نجفِ اشرف میں تھے تو بھی ہمیں علامہ صاحب کا اندازِ بیاں یاد آیا کہ آج اگر وہی تقریریں جو علامہ صاحب پاکستان میں کرتے ہیں یہاں ہو رہی ہوتیں تو لطف آجاتا لیکن آپ میری تائید کریں گے کہ جب بھی یہاں بیٹھ کر ۱۴ رمضان کو امام حسنؑ کا ذکر ہو، ۱۰ رمضان کو جنابِ خدیجۃ الکبریٰؑ کا ذکر ہو یا ۷ رمضان کو فاطمہ بنت اسدؑ کا ذکر ہو، ہم لوگ جنت البقیع میں ہوتے ہیں، یا ۱۹، ۲۰ اور ۲۱ رمضان کو مولائے کائنات حضرت علیؑ کا ذکر ہو تو ہم یہیں بیٹھ کر نجفِ اشرف کی زیارت کر لیتے ہیں اور ہم نے ان مقاماتِ مقدسہ میں آپ سب کو بھی یاد رکھا اور جب یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو نئی صدی کے آغاز پر ہم مشہدِ مقدس میں تھے تو ہم نے یہی دعا کی کہ اے امامِ ضامن و ثامنؑ جہاں جہاں بھی دنیا میں عزادارانِ مظلومِ کربلا ہیں سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھیئے گا اور نہ تو میں کوئی شاعر ہوں، نہ سوز خوان ہوں، نہ خطیب ہوں اور نہ نوحہ

خوان ہوں مگر یہ آلِ عبؑا کا صدقہ ہے کہ بارہ، چودہ برس سے آلِ عبؑا کی جو خدمت کر رہا ہوں اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے میں دو سال چار مہینے میں ۱۲ مرتبہ عمرہ، عراق شام اور ایران کی زیارت کا شرف حاصل کر چکا ہوں میں اور مجھ سمیت تمام ٹرسٹیز آلِ عبؑا ٹرسٹ کے اور میری تمام Family اور یہ ٹرسٹ کے وزیر حسن زیدی صاحب یہاں تشریف فرما ہیں جو زیدی سادات کا شجرہ مرتب کر چکے ہیں اور اتنے مولائی ہیں کہ ان کے گھر پر ۲۶ برس سے حضرت عباسؑ کا علم نصب ہے اور کراچی کے خراب ترین حالات میں جب لوگوں نے کہا کہ یہ علم اتار دیجئے تو انہوں نے کہا کہ میری جان فدا اس علم پر لیکن یہ علم نہیں اترے گا اور دوسرے پروفیسر سبطِ حسن جو سینٹ پیٹرکس کالج کے پرنسپل ہیں اور یہ اور ان سمیت تمام اراکین اس لئے بھی علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے معتقد ہیں اور مدّاح ہیں کہ ایامِ عزا کے ایک عشرے کے دوران شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا گولیوں کی بوچھاڑ تھی اور علاّمہ ضمیر اختر نقوی نے انچولی سے روزانہ اسی راستے سے آ کے امام بارگاہ آلِ عبؑا میں عشرہ پڑھا یعنی راستے میں فوج لگی ہوئی تھی، اگر کوئی اور علاّمہ ہوتا، کوئی اور ذاکر ہوتا، کوئی اور مولوی ہوتا تو ڈر کے مارے گھر سے ہی نہیں نکلتا اور تسبیح پر بار بار استخارہ دیکھتا مگر علاّمہ صاحب نے کمالِ جواں مردی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ عشرہ پڑھا بلکہ وہ عشرہ آج تک یادگار ہے علاّمہ صاحب کے شاگردوں میں ماجد رضا عابدی جو کہ شاعر بھی ہیں، مرثیہ نگار، سوز خواں ایسے کہ کوئی اُن کے پائے کا نہیں، نوحہ خواں بھی ہیں، مجلسیں بھی پڑھتے ہیں اور ماشاء اللہ ریسرچ اسکالر بھی ہیں نہ صرف یہ کہ پاکستان بھر میں مشہور ہیں بلکہ انڈیا تک میں ان کی شاعری کے اور آواز کے چرچے ہیں کمال حیدر رضوی کی خطابت کا یہ عالم ہے کہ لاہور کا وہ مشہور اور روح پرور عشرہ جو علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب خود پڑھتے تھے وہ علاّمہ صاحب نے کمال حیدر کے سپرد کر دیا ہے اور وہ اسی طرح جانفشانی کے ساتھ عشرے کو جمائے ہوئے ہیں جو کہ ہم خود لاہور میں دیکھ کر آئے ہیں اور مجھے امام بارگاہ آلِ عبؑا میں جب کوئی سوز خواں نہیں پہنچ پاتا تو سوز خوانی کا سرف بھی حاصل ہوتا ہے جب کوئی شاعر نہیں پہنچ پاتا تو منقبت خوانی کا شرف حاصل ہوتا ہے لیکن آج کی اس تقریب میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا کے سب سے عظیم خطیب، مرثیہ نگار، اسکالر، محقق، ادیبِ اعظم علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب مدّ ظلہ العالی کی اس تقریب میں اُن

کے ہی سامنے آج پہلی بار خطابت کا بھی موقع مل رہا ہے جو کچھ میں لکھ کے لایا تھا وہ میرے پاس ہے اور میں ڈاکٹر ماجد رضا عابدی کے سپرد کرتا ہوں ایک اور بات یہ کہ آپ دیکھیں کہ علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی مجلس میں ہی یہ تہذیب سیکھنے کو ملتی ہے کہ مجلس میں کیسے بیٹھا جاتا ہے، مجلس کیسے سنی جاتی ہے، کیا سامعین کا انداز ہوتا ہے، کیسے داد دی جاتی ہے، کیسے گریہ کیا جاتا ہے، یہ تہذیب یہ رکھ رکھاؤ، یہ باتیں، یہ اخلاقی قدریں کسی اور ذاکر کے یہاں آپ کو نہیں ملے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ علاّمہ صاحب کی مجلس ۵ سال کے بچے سے لے کر ۷۲ سال کے ضعیف تک سب کی سمجھ میں آتی ہے اور ان سب کا کیا جوش اور جذبہ ہوتا ہے یہ سب ہم نے دیکھا اور ہمارے مینجنگ ٹرسٹی جناب ڈاکٹر میر محمد علی صاحب کے یہ الفاظ جو انہوں نے علاّمہ صاحب کی عشرہ محرّم کی تقاریر جو وہ امام بارگاہ آلِ عبؑا میں عشرہ پڑھتے ہیں اس کے تاثرات میں میر محمد علی صاحب نے کہا کہ یہ جو اس سال علاّمہ صاحب نے "شجاعت بنی ہاشم" کے عنوان سے عشرہ پڑھا میں حیدر آباد دکن سے لے کر پاکستان تک پچپن (۵۵) ساٹھ (۶۰) برسوں میں میں نے بڑے بڑے ذاکرین کو سنا مگر سات (۷) محرّم کی مجلس جو میں نے علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب سے سنی ہے آج تک ایسا خطاب میں نے کسی ذاکر سے نہیں سُنا۔ انھوں نے جناب قاسمؑ کی جنگ ارزق پہلوان اور اس کے چاروں بیٹوں سے جو پڑھی تو ایسا منظر دکھایا کہ پوری مجلس کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اپنی آنکھوں سے وہ جنگ دیکھ رہے ہوں پہلے امام حسنؑ کی شجاعت اور ان کے حلم و تدبّر اور صلح پر گفتگو کی اور پھر حضرت قاسمؑ کی جنگ پڑھی اس انداز سے خطاب کرنے والے علاّمہ ضمیر اختر نقوی واحد ذاکر ہیں ہم آلِ عبؑا ٹرسٹ کی جانب سے علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے مشکور ہیں اور دعاگو ہیں کہ پروردگارِ عالم علاّمہ ضمیر اختر نقوی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، اُن کو طولِ عمر عطا فرمائے اور دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

سیّد کمال حیدر رضوی (گلبرگ)

ضمیرِ علم وادب

بہت کچھ آپ سماعت فرما چکے اور بہت سارے حضرات اپنے جذبات اور اپنی محبتوں کا اظہار فرما چکے۔ خدا خوش رکھے ہمارے بھائی ارتضٰی صاحب کو اور رضا مہدی صاحب کو کہ جنھوں نے یہ تجویز پیش کی اور برادرم اور دوست ماجد رضا عابدی صاحب کو کہ جن کے انتظام و انصرام سے یہ تقریب آج وجود میں آئی اور آپ کے سامنے منعقد ہے کل یا پرسوں بھائی ارتضٰی صاحب کہہ رہے تھے کہ کمال صاحب آپ بھی کچھ کہیں گے تو اب بتائیے کہ آپ مجھ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے بارے میں کچھ کہوں یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی ابنِ عباس سے کہے کہ علیؑ کی تعریف کرو تو ظاہر ہے کہ ابنِ عباس سے کسی نے پوچھا کہ تمھارے علم اور علیؑ کے علم کو کیا نسبت ہے تو کہا کیا نسبت کی بات کرتے ہو ایک سمندر میں سے ایک قطرہ اگر اٹھا لیا جائے تو اس کی کیا حیثیت ہے تو قطرہ کیا سمندر کی تعریف کرے گا قطرہ خود جب سمندر میں مل جاتا ہے تو اسے اپنے وجود کا احساس نہیں رہتا۔ میں علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی خطابت کے حوالے سے تین تکنیکی باتیں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔ صدی کے کامل ہوتے ہوتے تقریباً ملک الناطقین مولانا سبط حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ، سے لے کر آج تک کم و بیش سو برس پورے ہو گئے خطابت کو سو برس کے عرصے میں خطابت نے بہت سے نشیب و فراز دیکھے، معراج بھی دیکھی، ارتقا بھی دیکھا، بڑے بڑے خطیب گزرے، ظاہر ہے ان کا نام لینے کی اس وقت ضرورت نہیں ہے۔ مختصراً میں اپنی بات کو کامل کروں گا ہو سکتا ہے کوئی صاحب اس بات کو مبالغہ سمجھیں، لیکن وقت اس بات کو ثابت کر دے گا اور عنقریب آپ میرے کسی موضوع میں اس جملے کی شرح پڑھ بھی لیں گے کہ ہر جانے والے خطیب کہ جس نے

خطابت کی اور آلِ محمدؐ کے در کی خدمت کی، اب میں اس جملے کو کہنے سے پہلے یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ ہر انسان کی بڑائی میں اس کے جس شعبے سے وہ تعلق رکھتا ہے مثلاً کوئی بڑا ڈاکٹر ہے، کوئی بڑا خطیب ہے، بڑا عالم ہے، بڑا مفکّر ہے، بڑا شاعر ہے، اس سے پہلے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ کتنا بڑا انسان ہے جو شخص جتنا بڑا انسان ہوتا ہے اس کی شخصیت میں اتنی ہی ہمہ جہتی آتی ہی چلی جاتی ہے۔ علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب بہت بڑے خطیب ہیں، بہت بڑے مفکّر ہیں، بہت بڑے دانشور ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ بڑے انسان ہیں اس لئے کہ انسان کے مزاج کے خصائص اس کی خوبیاں، اس کے ہر عمل میں بولتی ہیں، اس کی ہر ادائیں بولتی ہیں، دیکھئے جو انسان مزاجاً سخی نہیں ہوگا کہیں بھی اس کے کسی عمل میں سخاوت نظر نہیں آئے گی۔ جو شخص مزاجاً سخی ہوتا ہے جس کی فطرت میں سخاوت ہے اس کی فطرت میں یہ بات ہے کہ وہ کہیں بھی کسی چیز کو تشنہ پائے گا تو اسے سیراب کردے گا۔ اب یہ محنت کی تھی کہ یہ جملہ میں کہہ دوں کہ سو برس اگر خطابت کے سبطِ حسن سے آج تک گزرے ہیں تو ہر خطیب کو خطابت ”نے“ دیا ہے لیکن علاّمہ ضمیر اختر نقوی نے خطابت ”کو“ دیا ہے اور بہت کچھ دیا ہے ہر خطیب کو خطابت نے نوازا ہے لیکن علاّمہ ضمیر اختر نقوی نے خطابت کو نوازا ہے۔ وقت خود یہ بات ثابت کردے گا کہ انھوں نے کس طرح خطابت کو نوازا اور آپ یہ بات یاد رکھیئے گا کہ جس طرح اردو شاعری اور اردو مرثیہ میر انیسؔ کے اثر سے آج تک باہر نہیں نکل سکتا اور جس کو بھی اردو مرثیہ کی راہ پر قدم رکھنا ہوا سے بہرحال میر انیسؔ ایسا نشانِ منزل ہیں کہ اس سے الگ ہٹ کر نہیں گذرا جاسکتا۔ آنے والا وقت یہ ضرور بتائے گا کہ جو خطابت کی شاہراہ پر قدم رکھے علاّمہ ضمیر اختر نقوی ایسا نشانِ راہ ہیں کہ کوئی شخص بھی اب خطابت کی راہ پر قدم رکھنے کے لئے اس نشانِ راہ سے بچ کر نہیں گذر سکتا جیسے اردو مرثیہ انیسؔ کے اثر سے نہیں نکلا اب رہتی صدیوں تک خطابت علاّمہ ضمیر اختر کے اثر سے نہیں نکل سکتی بہت کچھ کہنا تھا لیکن بات کو اب میں سمیٹ رہا ہوں۔ چار مصرعے میں نے کبھی کہے تھے۔ سن لیجیے۔

ضمیرِؔ علم و ادب قصرِ گفتگو کا چراغ — اودھ کا اخترِؔ تہذیب لکھنؤ کا چراغ
یہ نورِ معرفتِ حق یہ مدحتِ زہراؑ — علومِ آلِ پیمبرؐ کی آبرو کا چراغ

ایک نظم اور ہے جو چھپ تو چکی مگر پڑھی نہیں گئی، آپ میں بہت سے حضرات تک شاید نہ پہنچی ہو چند شعر سن لیجیے۔

(۲۴)

زائر حسین نقوی (گلشنِ اقبال)

"با مقصد خطابت"

جب سے پاکستان آیا ہوں مختلف ذاکروں کو سنا ہے جو صرف اپنی مجالس، مجالس کی حد تک رکھتے ہیں مگر جب سے علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کو سنا ہے تو انھوں نے مختلف موضوعات پر تقاریر کی ہیں اور ان سے اتنا علم ملتا ہے کہ اگر کوئی ان کا مستقل سامع کتابیں بھی نہیں پڑھے تب بھی اس کے پاس اتنا علم ہوگا کہ وہ کسی اچھے سے اچھے دانشور سے بحث کر سکے اور اپنا مذہب اور عقیدہ Positively منوا سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جیسے ٹی وی پر ایک Channel آتا ہے National Geographic اس میں کسی ایک موضوع پر کسی کی تیس اور پینتیس سال کی Research دکھاتے ہیں تو اگر ہم کسی موضوع پر ریسرچ کرنے کی کوشش کریں سب سے بڑی ہمیں یہ Problem ہوگی کہ ہم صحیح Track پر نہیں چل سکیں گے، اِدھر اُدھر بھٹکتے رہیں گے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ علاّمہ صاحب کی تقریر سن لیں تاکہ پوری ان کی زندگی کی ریسرچ اور صرف ایک Topic پر نہیں بلکہ اتنے Topics پر ہے کہ اگر انسان لکھتا رہے تو Topic کا بھی ایک Index بن جائے گا ایک اور بات یہ کہ مجالس میں جو آکر بیٹھتے ہیں تو علاّمہ صاحب کی مجلس میں وہی لوگ آکر بیٹھتے ہیں کہ جو خود علم رکھتے ہوں اور شعور رکھتے ہوں اور علاّمہ صاحب کی باتیں سمجھ سکیں، خالی الذہن انسان یہاں آکے نہیں بیٹھ سکتا ہے اور نہ بیٹھے گا خود بھی بھاگے گا اور دوسروں کو بھی بھگائے گا عبادت کی جو بات ہے وہ خود میں نے Observe کی ہے کہ آپ کسی بھی عبادت کو اختیار کرنے کی کوشش کیجیے ہر عبادت میں اتنا ڈرایا جائے گا کہ یہ نہیں کیا تو گناہ، یہ کیا تو یہ گناہ، انسان عبادت سے بھاگتا ہی رہے گا، کوئی کسی عبادت کو ایسا پیش ہی نہیں کرتا ہے کہ انسان کے دل میں ایک حب اٹھے اور وہ اس عبادت کے قریب جانے کی کوشش کرے ہر عبادت سے انسان بھاگتا ہے لیکن یہ مجلسِ حسینؑ ایک ایسی

عبادت ہے کہ جس میں انسان ایک بار آتا ہے تو بار بار آنے کی کوشش کرتا ہے پھر دوسری بات یہ ہے کہ سب نے چاہے وہ عالم ہو یا کوئی بھی ہو موت کو اتنا خوف ناک بنادیا ہے کہ انسان کوشش کرتا ہے کہ اگر میرے اختیار میں ہو تو میں مروں نہیں مگر علاّمہ صاحب کی مجالس سن کے اور علاّمہ صاحب نے جیسے موت کو پیش کیا ہے، خاص طور سے میری تو دعا یہ ہے کہ جلد سے جلد موت آئے تاکہ موت کے بعد کا منظر جو پیش ہوتا ہے وہ نظر آئے اور وہ دیکھتے رہیں کہ وہ کیا ہے؟ اور جو بھی علاّمہ صاحب منظر نگاری کرتے ہیں یعنی اگر کربلا کا نقشہ کھینچ رہے ہیں تو کوئی انسان جو کربلا نہیں جا پایا اور ان کی منظر نگاری ذہن میں نقش ہو گئی ہو تو آنکھ بند کر کے بھی وہ وہاں کی زیارت کر سکتا ہے۔ پروردگار علاّمہ ضمیر اختر نقوی کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

(۲۶)

سیّد قائم رضا نقوی (انچولی)

آستانۂ علم و ادب

مجھے مقالہ نہیں پڑھنا اس لئے کہ پرسوں جب میں مقالہ لکھنے بیٹھا تو یہ بعد میں بتاؤں گا کہ ہوا کیا؟ پہلے میں تعارف میں کچھ چیزیں پیش کروں گا۔ جو لوگ یہاں نہیں ہیں اور قوم کے بہت بڑے قائدین تھے اور ہیں اُن کے کچھ بیانات پیش کروں گا کہ جب میری علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس سے پہلے میں کچھ اپنے بارے میں بتادوں کہ میں بہت ہی Typical قسم کا سیاست دان انجمن باز تھا۔ جمّو بھائی جنرل سیکریٹری انجمنِ تنظیم الحسینی یہاں بیٹھے ہیں ان ہی کی انجمن میں سالار دستہ تھا میں جب قبلہ علاّمہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو میرا عالم وہی تھا جو کہ پوری انچولی کا ہے اس وقت عالم یہ تھا کہ علاّمہ صاحب نے جب پہلی بار مجھے ایک مرثیہ پڑھنے کے لئے دیا "جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے" اور جب گھر ہی میں وہ مرثیہ میں پڑھنے بیٹھا تو میں رات کے تین بجے تک آنسوؤں سے روتا رہا اس لئے کہ اس وقت تک میں ایک بند بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ یہی حال پوری انچولی کا ہے لیکن آج یہ عالم ہے کہ ابھی آپ مجھے میرے انیسؔ کا کوئی بھی مرثیہ دے دیں میں پڑھنا شروع کردوں گا۔ یہ تو تھا تھوڑا سا اپنا تعارف اس دوران میں قبلہ کے ساتھ ساتھ رہا اور قبلہ کے قریب رہا جیسے آیت جب آئی کہ سب نبیؐ کو رسولؐ اللہ کہہ کر پکارا کرو اور جب رسولؐ گھر میں آئے تو جنابِ سیدہؑ نے یارسولؐ اللہ کہہ کر سلام کیا تو آپؐ نے فرمایا بیٹی یہ کیا؟ تو جنابِ سیدہؑ نے کہا ابھی آیت جو آئی ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ آیت امتّ کے لئے ہے تمھارے لئے نہیں، اہلبیتؑ کے لئے نہیں، ابھی تک جو باتیں تھیں وہ سب باہر کی تھیں گھر کی باتیں جو ساتھ رہا گھر میں کافی عرصے تک وہی

بتا سکتا ہے تو علامہ رشید ترابی سے شروع کروں تاکہ سارے خطیبوں کا ذکر ہوتا چلا جائے۔ رشید ترابی صاحب کی تقاریر میں علامہ ضمیر اختر نقوی نے کچھ آیتوں کی اصلاح کی تو اُن کے صاحبزادے بہت نالاں ہوئے جبکہ بہت اچھے دوستوں میں سے ہیں۔ وہ مولانا حسن امداد صاحب کے پاس تصدیق کے لئے گئے تو مولانا حسن امداد نے جیسے ہی علامہ ضمیر اختر نقوی کا نام سنا تو انھوں نے فوراً ہی قرآن ریک میں سے اتارتے اتارتے رکھ دیا اور انھوں نے کہا اگر علامہ ضمیر اختر نے کہا ہے تو بالکل صحیح کہا ہوگا۔ اس کے بعد جو وارثِ مرکزی عشرہ قرار پائے اُن کا بیان یہ ہے جو میں نے خود اُن کے گھر پر اُن کی زبانی سُنا کہ "آپ تو وہ شخصیت ہیں شیعہ قوم کی کہ آپ کی زبان بھی مولا کے فضائل کے لئے رواں دواں ہے اور قلم بھی اور دونوں چیزیں کام کر رہی ہیں اور ہماری تو صرف زبان چلتی تھی اب وہ بھی نہیں چلتی۔" اس کے بعد ان آنکھوں نے دیکھا کہ نشتر پارک جن کو ملا اور جنھوں نے حق سمجھا، یا جاگیر داری سمجھی ان کو میں نے تقریباً نو سال دیکھا علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے یہاں۔ یہ گھر کے راز ہیں میں اس لئے آیا ہوں کہ جب سارے راز کھل ہی رہے ہیں تو پھر ساری باتیں ہو جائیں تو میں نے نو سال دیکھا کہ عید گزری اور ایک علامہ کی گاڑی علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے دروازے پر کھڑی ہوتی تھی اور بقر عید تک یہی کوشش ہوتی تھی کسی طرح ہم کو وہاں سے ہٹا دیا جائے اور عشرے کی تیاریاں ہوں آج پہلی بار عدنان صاحب کے مقالے کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ علامہ بھی اب قبلہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی تعریفیں کرتے ہیں ورنہ میں نے کبھی اپنے ۲۰ سالہ دور میں تعریف نہیں سنی تھی ہاں جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا مثال کے طور پر ایک مرتبہ وہ نشتر پارک جا رہے تھے تقریر کرنے تو تین بیٹیوں والے مسئلے کو چھیڑنا نہیں بھی چاہ رہے تھے اور چھیڑنا چاہ بھی رہے تھے تو قبلہ ضمیر اختر نقوی صاحب سے باقاعدہ دلائل جو پوچھ کر گئے تھے وہی منبر پر انھوں نے پڑھ دیئے اس کے بعد مرحوم علامہ عرفان حیدر عابدی صاحب ایک زمانے میں لوگوں نے جس میں نجمی صاحب، زہیر عباس عابدی وغیرہ شامل ہیں مہم چلائی کہ سب لوگوں کو جو مجلس پڑھتے ہیں اُن کو اکھٹا کیا جائے اور علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب سے کہا کہ ان لوگوں کو بتائیں کہ جو غلطیاں دوران تقریر یہ لوگ کر جاتے ہیں وہ نہ ہوں تو مرحوم علامہ عرفان حیدر عابدی صاحب سے Meeting ہوئی سید ناصر رضا رضوی جو امام بارگاہ جامعۂ سبطین کے

سامنے رہتے ہیں ان کے گھر کے لان پر، جس میں چھ دیگر معروف شخصیات بھی موجود تھیں گفتگو کے بعد علاّمہ مرحوم کا بیان یہ تھا کہ چونکہ آپ کی بزم میں میرا وقت زیادہ نہیں گزرا اس لئے مجھ سے یہ لغزشیں ہو جاتی ہیں اور انشاء اللہ اب میں آپ سے فیض حاصل کروں گا اور عید کے بعد قبل محرّم آپ کے پاس حاضری دوں گا۔ یہ بڑے خطیبوں کی باتیں ہیں تو چھوٹوں کا کیا ذکر کہ جنھوں نے فیض حاصل کیا اور مکر گئے اب اصل موضوع کی طرف آؤں گا اسی منبر پر آج سے دو سال قبل میں نے تقریر کی تھی اور کہا تھا کہ جب مالکِ کائنات نے اعلان کیا کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں ظاہر ہو جاؤں، تو دو چیزیں ظاہر کیں ایک خطابت ظاہر کی "تخاطب" اور ایک اہلبیتؑ کو ظاہر کیا، تو اہلبیتؑ کے آخری نمائندے کو تو غیبت ملی اور وہ غیب میں ہیں۔ لیکن جہاد باللسان کی اصطلاح کے ساتھ ہمارے پاس وہ امانت آج تک محفوظ تھی جسے خطابت کہتے ہیں اور وہ بھی صرف شیعوں کے پاس۔ کراچی میں شور و غوغا کو خطابت سمجھا گیا جبکہ وہ خطابت نہیں ہے۔ خطابت یہ ہے کہ باجوں کا شور ہو اور بارِ شام میں تو جنابِ زینبؑ نے ایک اشارے سے سارے شور کو خاموش کیا اور پھر خطاب کیا وہ خطابت ہمارے پاس ہے شیعت کے پاس۔ شور شرابے والی خطابت نہیں ہے تو اس کے اس وقت واحد نمائندے علاّمہ صاحب ہی ہیں جب میں نے مقالہ لکھنا شروع کیا تو علاّمہ صاحب سے جو کچھ میں نے سنا ان موضوعات کا میں نے Collection کرنا شروع کیا تو صرف فدک کے اٹھارہ (۱۸) موضوعات ہیں اور اس کے بعد ہر موضوع کے ذیل میں شخصیات اور واقعات کا Collec-tion! تو مقالہ تو ایک طرف رہ گیا اس کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ ۳۲ صفحات ہو چکے ہیں اور اب تک موضوعات کی تشریح ہو رہی ہے جو موضوع میں نے سنے اور اس کو باقاعدہ کتابی شکل دینے کا سوچا ہے اور اس کا نام "تاریخِ خطابتِ ضمیر" رکھا ہے۔

آلِ محمد رزمیؔ ریسرچ اسکالر (شاہ فیصل کالونی)

قوم کی عزّت کا سوال

حضراتِ گرامی! ابھی آپ نے علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے ۳۸ مدّاحوں کے مختصر اور طویل مقالے اور منظوم نذرانہ عقیدت سماعت فرمائے۔ اب ایک مخالف کا بھی نظریہ سماعت فرمائیں۔ گذارش یہ ہے کہ آج سے کوئی پندرہ سال پہلے کراچی شہر میں علاّمہ صاحب کے دو بڑے مخالف تھے ایک کا نام ہے سبطِ جعفر اور ایک کا نام آلِ محمد رزمیؔ اور ہم نے علاّمہ صاحب کے خلاف لکھا بھی اُن کے مدّاحوں سے معذرت کے ساتھ۔ ایسا ہوا کہ جب آدمی دور رہتا ہے تو اختلافات بھی پیدا ہو جاتے ہیں، ایک بار میری ایک گوٹ پھنس گئی علاّمہ صاحب سے تو مجھے اُن کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ یہ تھا کہ تنظیم المکاتب پاکستان میں مرکزی مجلس عاملہ کی Meeting تھی جس میں علاّمہ طالب جوہری صاحب سے لے کر علاّمہ رضی جعفر صاحب تک مولانا ناصر عباس صاحب اور علاّمہ تلمیذ حسنین صاحب جو آج کل نیو جرسی (امریکہ) میں بہت بڑے مبلّغ ہیں اس قبیل کے کوئی پچیس علما وہاں موجود تھے۔ صدر شعبہ علومِ اسلامیہ اہلسنّت کے بہت بڑے عالم ہیں علاّمہ محمد سعید اور لشکر طیبہ کے بہت بڑے سالار ہیں ان کا ٹیلی فون آیا کہ بھئی رزمی صاحب آپ اپنے کسی عالم سے یہ پوچھ کر بتائیں کہ رسولؐ اللہ کی دادی کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ بہت اچھے وقت پر آپ نے ٹیلی فون کیا اور ہمارے بہت جیّد علما یہاں تشریف فرما ہیں اور میں نے کہا کہ میں ابھی آپ کو Ring Back کرتا ہوں، میں نے ان تمام علما سے پوچھا کہ صاحب! رسولؐ اللہ کی دادی کا کیا نام تھا اور وہ کہنے لگے میں ابھی بتاتا ہوں اور مجھے یاد تھا اور میں

بھول گیا اور میں بڑا شرمندہ کہ میں انھیں کہہ چکا ہوں کہ جیّد علما یہاں بیٹھے ہیں تو میں نے مجبوراً علاّمہ ضمیر اختر صاحب سے ناراضگی کے باوجود کہ ہمارے اور اُن کے اختلافات تھے میں نے کہا اس وقت قوم کی عزّت کی بات ہے اور میں نے علاّمہ صاحب کو ٹیلی فون کیا اور میں نے علاّمہ صاحب سے کہا کہ اس وقت قوم کی عزّت کا سوال ہے ناراضگی اپنی جگہ، رسولؐ اللہ کی دادی کا نام کیا ہے۔ علاّمہ صاحب نے ناراضگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر کہا کہ فاطمہ مخزومیہ! اور میں نے علاّمہ محمد سعید صاحب کو Ring Back کر کے بتایا کہ رسولؐ اللہ کی دادی کا نام فاطمہ مخزومیہ ہے تو انھوں نے کہا کہ صاحب ہم بھی یہاں بیس (۲۰) پچیس (۲۵) علما بیٹھے ہوئے ہیں ہمیں بھی رسولؐ کی دادی کا نام یاد نہیں آرہا تھا۔ یہ اہلسنّت علما نے کہا۔ تو پچاس (۵۰) علما پر علاّمہ صاحب کی معلومات بھاری ہیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ لندن سے میرے ایک دوست نے ایک بار کہا کہ صاحب ہمارے ایک پیر و مرشد ہیں ”نور الدّین مبارک“ اُن کے متعلق آپ ایک کتاب لکھ دیں میں نے کہا بھائی میں تو نام ہی آج سن رہا ہوں البتہ میں علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے پاس جاتا ہوں اگر انھوں نے کچھ Guide کر دیا تو میں کتاب لکھ دوں گا تو میں بادلِ ناخواستہ علاّمہ صاحب کے پاس آیا میں نے کہا کہ یہ نور الدین مبارک کون تھے تو علاّمہ صاحب نے کہا کہ یہ سادات سامانہ جو ہیں ان کے جدِّ امجد مولانا نور الدین مبارک تھے جو شہاب الدین غوری کے پیر تھے۔ علاّمہ صاحب نے ۴۵ منٹ تک نور الدین مبارک پر جس کو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ میں سے بھی کوئی نہیں جانتا اگر کوئی جانتا ہو تو اُٹھ کے باپ کا نام بتادے یا یہ بتادے کہاں کے رہنے والے تھے۔ علاّمہ صاحب نے ۴۵ منٹ تک نور الدّین مبارک پر مجھے گائیڈ کیا اور ۴۲ کتابیں اس موضوع پر اپنی لائبریری سے لا کر دیں اور کہا کہ بھئی یہ شجرے ہیں اور یہاں سے آپ کو نور الدّین مبارک کے بارے میں Matter مل سکتا ہے اور تیسرا واقعہ یہ کہ ہمارے ایک دوست ہیں پروفیسر علی امام رضوی علاّمہ اقبالؔ کالج میں ہیں، وہ ایک مرثیے کے متعلق معلوم کرنا چاہتے تھے کہ یہ مرثیہ کس کا ہے وہ کہتے تھے کہ اگر آپ پوچھ کر بتادیں علاّمہ ضمیر اختر صاحب سے تو میں غلامی لکھ دوں گا وہ ابھی یہاں موجود ہیں جعفر طیار سوسائٹی میں رہتے ہیں اور اُن کے بہت سے احباب یہاں موجود ہیں تو میں اُن کو لے کر علاّمہ ضمیر اختر صاحب کے پاس آیا کہ صاحب یہ کسی مرثیے کے سلسلے

میں بات کرنا چاہ رہے ہیں علاّمہ صاحب نے کہا کہ بھئی یہ مرثیہ فلاں کے نام سے منسوب ہے مگر اُن کا نہیں ہے اور جن کا ہے یہ لیجئے اور ایک کتاب لا کر دی اور کہا اس میں ان کا نام اور یہ مرثیہ اور پوری تاریخ درج ہے علاّمہ صاحب نے ان پروفیسر صاحب کو ڈیڑھ گھنٹہ اس مرثیے کے بارے میں Brief کیا اور وہ جناب کہتے ہوئے آئے کہ آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ آپ علاّمہ صاحب سے Attached ہیں تو جناب ہم تمام ناراضگی کے باوجود علاّمہ صاحب کے قریب آئے اور ان میں پانچ صفتیں ایسی پائیں جو آج تک ہم نے کسی علاّمہ میں نہیں پائیں۔ ایک صفت تو یہ ہے جیسا کہ میرے محترم دوست میجر منور صاحب نے فرمایا کہ صاحب وہابیت کی باڑھ پر آئی ہوئی شیعیت کا دفاع کرنے کے لئے علاّمہ صاحب نے وہ بند باندھے ہیں کہ جو ہماری آئندہ نسلوں کے لئے کام آئیں گے بات یہ ہے کہ وہابیت کا طوفان جو محمد علی خالصی نے اٹھایا تھا اور پوری شیعیت واضح طور پر دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی تھی ایک خالصی اور ایک شیعیت میں اور علاّمہ صاحب نے صحیح شیعیت سے متعارف کرایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک جذبہ ہوتا ہے کہ میں اپنے سے آگے کسی کو نہ بڑھنے دوں علاّمہ صاحب کی بالغ نظری اور روشن فکری یہ ہے کہ آج اُن کے مقالہ نگاروں میں ۳۸ آدمیوں سے سوائے ایک آدھ مائل بہ بڑھاپا آدمی چھوڑ کر باقی سب نوجوان ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی شخص نوجوان نسل کو نئی نسل کو متاثر کرے اور یہ علاّمہ صاحب کا کمال ہے کہ نئی نسل نہ صرف علاّمہ صاجب سے متاثر ہے بلکہ اُن کا بیان اور خطابت سننے کے لئے میں نے دیکھا کہ مارٹن روڈ سے لوگ نکلے اور دو بجے رات کو حسین آباد دلیر پہنچے میں علاّمہ صاحب کے ساتھ تھا معلوم ہوا کہ ان کا مجمع ان کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے اور وہ حسین آباد جہاں پر ۱۰ بجے کے بعد کبھی امام باڑہ کھلتا نہیں تھا دو بجے رات کو کئی ہزار افراد علاّمہ کا خطاب سننے کے لئے موجود تھے تیسری بات علاّمہ صاحب میں ہے عقیدے کی۔ بات دراصل یہ ہے کہ جو کچھ داخلی اور خارجی محاذوں پر ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے علاّمہ صاحب ان کا دفاع کر رہے ہیں اور عقائد ہی کے ساتھ ہماری عاقبت بخیر ہوگی چوتھی بات علاّمہ صاحب میں یہ ہے کہ علاّمہ صاحب تحقیقی اور تنقیدی کام جو کر رہے ہیں اس کی پذیرائی دنیائے ادب کی قد آور شخصیات کرتی ہیں ڈاکٹر علی جواد زیدی جیسے لوگ پدم شری کا خطاب جن کو انڈیا سرکار نے دیا ہے میں ایک دن علاّمہ صاحب کے گھر گیا تو ڈاکٹر علی

جوادزیدی بمبئی سے تشریف لائے ہوئے تھے ڈائریکٹر زینبیہ ٹرسٹ اور ایران میں ہندوستان کے سفیر رہ چکے ہیں بہت بڑے Author ہیں اور سو(۱۰۰) سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں اور ہندوستان کے صفِ اوّل کے دانشوروں میں شمار ہوتا ہے وہ علاّمہ صاحب کی لائبریری میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں تین دن سے ان کے پیچھے بھاگ رہا تھا کہ کسی طرح وہ مجھے ملنے کا ٹائم دے دیں یا چائے کا ٹائم دے دیں اور وہ علاّمہ صاحب کے گھر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جوشؔ ملیح آبادی جیسے لوگ، سیّد ہاشم رضا، پروفیسر کاظم علی خاں، ڈاکٹر نیر مسعود جیسے لوگ جب علاّمہ صاحب کی مدح سرائی کریں تو ہم اور آپ کیا ہیں؟ یہ صرف خلوصِ دل کا خراج تھا جو ہم نے اور آپ نے ادا کیا۔ ذاتِ واجب ہماری توفیقات میں اضافہ فرمائے اس لئے کہ پروردگار نے علاّمہ صاحب کی توفیقات میں Already اضافہ کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ضمیر شناسی کی توفیق عطا فرمائے۔

سید جاوید عباس جعفری

انسانیت کا اجالا

مکتب تشیع کی تاریخ میں جن لوگوں نے اپنی زندگی ترویج علوم آل محمدؑ علیہ السّلام اور ملّت کے نوجوانوں کی دینی اور اخلاقی اصلاح کے لئے وقف کی انکا نام مکتب تشیع کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا گیا ہے۔ اور بہت کم لوگ ہوتے ہیں جنہیں یہ اعزاز نصیب ہوتا ہے کہ انکی با مقصد زندگی دوسروں کے لئے ایک مثال بن جائے اور لوگ انکو اپنا آئیڈیل بنالیں عہد حاضر میں ملّت کے تعلیمی وفکری انحطاط اور پستی کا مشاہدہ یوں تو دُنیوی و دینی علوم وفنون کے تمام ہی شعبوں میں کیا جاسکتا ہے۔ مگر ان تمام علوم میں بہتر علم، علم دین ہے کیونکہ علم دین کا تعلق ہماری روحانی زندگی سے ہے آخرت ونجات ہے اسی پر ہماری تمام زندگی موقوف ہے۔ حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السّلام نے فرمایا جو شخص دین سے علم حاصل کر کے مستفید ہوتا ہے وہ ستر ہزار عابدوں سے بہتر ثواب حاصل کرتا ہے۔ حضرت امامؑ موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا جاہل شیعوں کو جہالت سے بچانے والا ایک عالم فقیہ، ہزاروں عابدوں سے افضل ہے۔ کیونکہ عابد صرف اپنی نجات کی کوشش کرتا ہے اور عالم خود اور دوسرے بندگان خدا کو شیطان کے دھوکے اور مکروفریب سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام کے فرمان کے مطابق علم سکھانے والے علماء بھی شفاعت کا باعث ہونگے اور لاکھوں لوگوں کی شفاعت کریں گے علم دین ہم تک آئمہ طاہرین کے ذریعہ ہی پہنچا یہی وہ وارثان قرآن ہیں کہ جنھوں نے ہم کو جہالت کی تاریک وادیوں سے نکال کر علم کی روشنیوں سے ہمارے دلوں کو منور کیا ہے اور صراط مستقیم کی شاہراہ پر رواں کر دیا ہے اور اسکے باوجود کہ حضرت محمد مصطفےٰؐ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شہادت کے

بعد امام اول باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ علیہ السّلام سے لیکر بارہویں امام مہدی علیہ السّلام کی غیبت تک جو ظلم و ستم ان پر اور ان کے ماننے والوں پر ڈھائے گئے اور آج تک ڈھائے جارہے ہیں۔ ایسے علماء، خطباء اور شعراء ہمارے درمیان موجود رہے ہیں اور موجود ہیں کہ جنھوں نے قرآن حدیث اور اقوال آئمہ علیہ السّلام کو بہت خوبصورت انداز سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے جو ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔ عہد حاضر میں اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس ہورہی ہے کہ علماء خطباء و شعراء حضرات اپنے قلم و زبان کی طاقت ادھر اُدھر کے موضوعات میں صرف کرنے کے بجائے امامت کا حقیقی چہرہ اشکار کریں۔ میرے خیال میں تو چند لوگ ہی یہ کام کررہے ہیں اور ان میں سب سے نمایاں نام جناب ضمیر اختر نقوی صاحب کا ہے کہ جن کے عقائد اور نظریات اہلبیتؑ کے نظریے کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہ گذشتہ چالیس برس سے مسلسل اپنی زندگی نوجوان نسل کے عقائدو نظریات کو درست کرنے میں بسر کررہے ہیں سید ضمیر اختر نقوی جنہیں ہم پیار سے ضمیر بھائی کہتے ہیں۔ میری اور ضمیر بھائی کی دنیاوی اخوت کی روداد کئی سالوں پر محیط ہے جو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں اسوقت میرے سامنے کھلی ہے اس کی ورق گردانی کرتا ہوں تو کتاب کے ہر ورق پر ایک گلستاں کھلا نظر آتا ہے اخلاص کا گلستاں، محبت کا گلستاں، مہر و شفقت کا گلستاں، قربانی و ایثار کا گلستاں، خلوص کی دل موہ لینے والی خوشبوؤں سے معطر اور سدا بہار رنگوں سے آراستہ ہنستا گلستاں، اس گلستاں کے کس کس پھول کو خیالات کی مالا میں پروؤں اور اس کے کس کس رنگ کو حروف میں آشکار کروں۔ اجالے کو قید کیا جاسکتا ہے نہ، خوشبوؤں کو زنجیر، کسی محبوب ہستی کے ساتھ یگانگت کا رشتہ جب گہرا اور قوی ہوجائے تو یہ سوال خاصا مضحکہ خیز لگتا ہے کہ اس رشتے کی ابتداء کب ہوئی تھی ایسے موقع پر یہی لگتا ہے کہ اس رشتہ محبت کا آغاز زندگی کے آغاز کے ساتھ ہی ہوگیا تھا۔ یہ شاید 1983 کی بات ہے کہ جب ضمیر اختر نقوی صاحب سے بالمشافہ ملاقات ہوئی جب یہ ہمارے ہی محلے میں قیام پذیر تھے۔ انکی شفیق شخصیت میں ایسا سحر تھا کہ مصافحہ اور معانقہ کرتے ہی دل کے دریچے وا ہوگئے اور میں پہلی نگاہ ہی میں گھائل ہوکر رہ گیا۔ دھان پان سی شخصیت کے مالک ضمیر بھائی کی آنکھوں میں مجھے ایمان اور مومنانہ حیا کی ایسی چاندنی کھلی نظر

آئی اور انکے چہرے پر خلوص و محبت سے معمور انسانیت کا اجالا میں نے اسطرح بکھرا ہوا دیکھا کہ مجھے یہی محسوس ہوا کہ میرا دل خود بخود منور ہوگیا ہے میں بھی اس اجالے میں پہلی دفعہ داخل ہوا تھا۔ سوچتا ہوں کہ کتنا تھوڑا وقت گزرا ہے اس اجالے میں کہ جیسے پیاسے کو سمندر کے پانی سے محض چند قطرے لیکن یہ قطرے بھی کتنے فرحت بخش ہیں۔ طمانیت کے گہرے احساس کے ساتھ محبت اور عقیدت کا یہ تعلق جس نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ قوموں کے اپنے وجود کا اظہار اپنی شخصیتوں سے ہوتا ہے۔ جنہیں قدر و منزلت اور عزت و احترام سے نوازا جاتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو انسانوں کو مایوسیوں کی اندھی کھائیوں سے نکال کر عمل و یقین کی روشن بلندیوں تک لیجاتے ہیں۔ کثیر الجہت شخصیت کے مالک ہمارے ضمیر بھائی کہ جن کی شخصیت کا احاطہ کوئی ایک لکھنے والا کر بھی نہیں سکتا کیونکہ انکی شخصیت کے کئی حوالے ہیں اور ہر حوالہ معتبر ہے میرے ذہن میں جو تصویر مشاہدے کے بعد ضمیر بھائی کی واضح ہوئی کہ وہ ایک عزم، ایک مشن، ایک مکتب فکر، ایک تحریک اور ایک عہد کا نام ہیں۔ وہ ہر روپ میں دلفریب شخصیت کے حامل فرد نظر آتے ہیں وہ اپنی نجی زندگی میں کسی دو رنگی کے قائل نہیں ہیں ہر بات واضح، دوٹوک، مدلّل اور غیر جذباتی کرتے ہیں انکی طویل علمی، ادبی، مذہبی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے ایسے ہی نام تاریخ کا جھومر ہوتے ہیں۔ ہم مسلسل دیکھ رہے ہیں کہ ضمیر بھائی کے پاس نہ تو جاگیر ہے نہ زمین نہ سرمایہ نہ اقتدار لیکن وہ اسکے باوجود بے حد تونگر اور بے حد سخی واقع ہوئے ہیں انکی حیات کا ایک ایک لمحہ ہم جیسوں کی عمروں پر محیط ہے۔ بین الاقوامی شہرت کی حامل ایک قد آور اور نامور شخصیت کے مالک ہوتے ہوئے بھی میں نے انکے مزاج میں طرحداری نہیں دیکھی زیادہ تر سفید لباس اور اوپر سے شیروانی ہی پہنتے دیکھا ہے شیروانی انہیں اسطرح سجتی ہے کہ جیسے انہی کی قامت زیبا کے لئے تخلیق ہوئی ہے۔ ضمیر بھائی کی روزمرہ کی مصروفیات اور شب و روز کے معاملات کا میں کئی برس سے مشاہدہ کررہا ہوں وہ صبح سے شام تک بلکہ رات گئے تک یا تو مطالعہ کررہے ہوتے ہیں یا پھر قوم کے لئے کسی نئی کتاب کی تخلیق اور کچھ ناگزیر مصروفیتیں ایسی بھی ہیں جو وہ کسی سے بانٹ بھی نہیں سکتے اور کئی غیر ضروری کام بھی ہوتے ہیں جو لوگ انہیں سونپ کر اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا کرلیتے ہیں۔ اتنی اعصاب شکن اور تھکادینے والی مصروفیات کے باوجود انکی پیشانی پر میں نے کبھی

شکن نہیں دیکھی۔ ضمیر بھائی کی ساری زندگی لفظوں کی رفاقت میں گذری ہے چاہے وہ تحریر ہو یا تقریر زندگی کے ہر مرحلے پر یہ لفظ ضمیر بھائی کے وفادار دوست اور رفیق بن کر رہے ہیں۔ ضمیر اختر نقوی ایک فرد کا نہیں ایک اسلوب حیات کا نام ہے۔ اس اسلوب حیات کے لئے اگر ایک لفظ کا انتخاب کیا جائے تو وہ سوائے عبادت کے کوئی دوسرا لفظ نہیں ہو سکتا کیونکہ عبادت حسن نیت بھی ہے اور حسن عمل بھی اور ضمیر بھائی کی زندگی حسن نیت اور حسن عمل کا بہترین امتزاج ہے۔ زندگی کے عام معمولات انجام دینے میں بھی ضمیر بھائی ایک منفرد انداز رکھتے ہیں جس میں وضع داری اور شائستگی و وقار کو درجہء کمال حاصل ہے۔ لکھنوی تہذیب سے تعلق رکھنے والے ضمیر بھائی کے رہن سہن میں نشست و برخاست میں رویوں میں اور برتاؤ میں خوراک میں لباس میں اور سب سے بڑھ کر بول چال میں بہت رکھ رکھاؤ اور تہذیب پائی جاتی ہے۔ جس میں منکسرانہ وقار کا عنصر غالب ہے اس عنصر سے میں نے انکی گفتگو کو کبھی خالی نہ پایا۔ جب تک وہ قریب رہتے ہیں اپنائیت اور چاہت کی ایک دلاویز خوشبو بکھری رہتی ہے، دوست احباب کی محفل میں انکا طرز گفتگو ہمیشہ ایک سا رہتا ہے فطرت کی مانند سنجیدہ، پھول کی طرح شگفتہ ہلکے پھلکے قہقہوں سے آراستہ شستہ، شائستہ اور باوقار بے ساختگی کے باوجود نپے تلے الفاظ جیسے کسی نفیس مشین سے یکساں وضع کے آبگینے ڈھل ڈھل کر نکل رہے ہوں دوستیاں نبھانے تعلق جوڑنے اور لوگوں کو سمیٹ کر رکھنے کا فن اُنھیں خوب آتا ہے وہ لوگوں کو بکھرنے نہیں دیتے ویسے بھی ضمیر بھائی کے دوستوں، مداحوں اور چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے فرش سے عرش تک کے لوگوں میں انکا حلقہء تعارف اور قبیلہء رفاقت دور دور تک پھیلا ہوا ہے ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ ان سے ملے وہ ان کے پاس ٹھہریں وطن میں ہوں یا پردیس میں ملاقاتوں کا بھاری بھرکم شیڈول تیار رہتا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ اندر سے کبھی کسی سے خائف نظر نہیں آئے یہ بے خوفی یہ شجاعت یہ اطمینان قلب عشق علیؑ کے بغیر کسی طرح ممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اہلبیتؑ پر غیر متزلزل ایمان ہی وہ حقیقت ہے کہ جس نے ضمیر بھائی کو خوف، تحریص، ترغیب لالچ جیسے گھٹیا احساسات وجذبات سے بلند کر دیا ہے میں نے انکی شخصیت میں کبھی تضاد نہیں دیکھا ضمیر بھائی کی شخصیت کا ایک اور نمایاں پہلو انکی ذات میں فکر و عمل کا ہم آہنگ ہونا ہے اسی لئے انکی خطابت بھی بے لاگ اور لگی لپٹی کے بغیر

ہوتی ہے کیونکہ لگی لپٹی رکھنا انکی دانش کے بھی خلاف ہے اور دیانت کے بھی جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں انکی فکر، تحریر تقریر میں غیر معمولی ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہ ملت کے مفاد میں اپنی رائے کو کبھی دباتے یا چھپاتے نہیں ہیں وہ ہر اس بات کو کہہ دینے کی ہمت رکھتے ہیں جو سچ ہو۔ حکمرانوں، رئیسوں اور اہل شوکت کی دہلیز پر جبیں سائی کو طرۂ امتیاز سمجھنے والوں کے اس پست قد دور میں ضمیر بھائی جیسا غیور درویش ملنا مشکل ہے میں نے کوئی دوسری ایسی شخصیت نہیں دیکھی جو بڑی بڑی پیشکشوں کو اتنی آسانی سے ٹھکرا دے ان ترغیبات کو اتنی آسانی سے ٹھکرانے کے سبب وہ کھل کر ہر ایک کی گرفت کرتے ہیں اور اپنی رائے بغیر کسی ذہنی تحفظ کے بیان کرتے ہیں۔ مگر انکی تنقید تخلیق کی زبان میں ہوتی ہے بعض لوگ انہی ہوا کا رخ دیکھ کر چلنے کی نصیحت کرتے لگتے ہیں مگر انکی نظر میں آزادی اظہار کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے جو کبھی مخالفتوں سے ادا کی جاتی ہے کبھی ذاتی نقصان سے اور یہی وجہ ہے کہ ضمیر بھائی کے چند مخالفین بھی اِسی آزادیٔ اظہار نے پیدا کئے مگر جو قیمت، ادا کرنے پر آمادہ رہتے ہیں ان سے یہ آزادی اظہار کوئی نہیں چھین سکتا حقیقت یہ ہے کہ ضمیر بھائی نے خطابت کو انڈسٹری اور تجارت کی سطح سے اٹھا کر ایمان اور اصول کے اس گمشدہ معیار پر پہنچا دیا ہے جو آج سے تیس پینتیس برس پہلے کے عظیم خطباء نے قائم کیا تھا جن میں کئی بڑے بڑے نامور علماء اور خطباء کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ بہت سی خصوصیات میں سے جو خصوصیت ضمیر بھائی کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کرتی ہے وہ انکی اصول پسندی ہے انہوں نے جذبات کے آگے ہمیشہ دلیل کو اپنایا انہوں نے بطور خطیب وقتی فائدے اور سستی شہرت کو رد کرتے ہوئے طویل المیعاد منصوبہ بندی کی ہے وہ خطابت میں ادھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے مقصد کے حصول کو مقدم رکھتے ہیں تاکہ جب اس درس گاہ حسینؑ سے کوئی بھی محبِ حسینؑ اٹھ کر جائے تو اپنے دل میں علم کی ٹھنڈک محسوس کرے قدرت کی عطا کردہ خوبیوں نے ضمیر بھائی کو ایک سحر انگیز خطیب بنایا ہے انکی تحریروں کو دوام بخشا ہے حافظے کے معاملے میں محمدؐ و آل محمدؐ کا ان پر خاص کرم ہے۔ تیز حافظے اور علم کی بدولت سوال کرنے والوں کے جوابات ضمیر بھائی کی نوک زباں پر رہتے ہیں۔ ضمیر بھائی کی مجالس کے موضوعات پر نظر ڈالیں تو ان میں بڑی انفرادیت نظر آتی ہے اور وہ حقیقتاً موضوع کا حق ادا کر دیتے ہیں تقریباً پانچ ہزار موضوعات پر دس ہزار

تقاریر تو یقیناً کر چکے ہیں بقول غالبؔ

ریگ دربادیہء عشق روانست ہنوز

(عشق کے صحرا میں ریت چلتی ہی چلتی جا رہی ہے)

اس پر آشوب دور میں کہ جہاں خطابت میں آبلہ پائی محض شوق نہیں جہاد ہے۔ کیونکہ کچھ سطحی فکر رکھنے والے انکی تقریروں کو اعتراضات کی زد پر اور قدغن کی سان پر رکھتے ہیں۔ جب کہ اہل علم میں انکی تقریر کو پسندیدگی کی سند حاصل ہوتی ہے اور وہ انکی مجالس کو حصول علم کا بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں. بہرحال انہی خارزاروں سے گزرنا انہی کا کمال ہے بعد ختم مجلس اکثر لوگ انکے ارد گرد بیٹھ کر سوال کرتے ہیں اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ سوال کرنے والا خود کو سبک اور ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور اطمینان سے سرشار ہو جاتا ہے انکی خطابت کی خاص بات موضوع کا احاطہ اور دھیمے اور منطقی انداز کی قوت استدلال ہے اگرچہ کسی ممتاز دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل نہیں ہیں مگر کئی مجالس میں انکی تقریروں کے دوران اگر فقہ کی کوئی بات درمیان میں آجائے تو فقہی مسائل پر بھی گفتگو کرتے سُنیں تو انکے علم و فضل اور قرآن اور معصومینؑ کی احادیث کے برمحل حوالوں، قوت استدلال اور اسکی منطقیت سے مجھے ہمیشہ یہ احساس رہا کہ جیسے وہ کسی ممتاز دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل جیّد عالم اور فقیہہ ہوں انکے مدلّل تحلیل تجزیے اور قوت بیان سے متاثر ہونا ناگزیر ہے۔ غرض یہ کہ جس موضوع پر بھی تقریر کرتے ہیں اور قلم اٹھاتے ہیں اسکے متعلق ایک ایسی جامعہ العلوم شخصیت کا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جس نے علمی شعبے میں تخصیص کا درجۂ کمال حاصل کیا ہے یہ ساری کرامات ودیعت الٰہی تو ہیں ہی مگر اس میں انکے مرحوم والدین کی تربیت اور لکھنؤ جیسے تہذیبی اور فیض بخش شہر کی نوازشات کا بہت دخل ہے ضمیر بھائی کی والدہ مرحومہ بھی ایک نامور خطیبہ اہلبیتؑ تھیں تو جہاں انہوں نے والدین سے سادات کی تہذیبی اخلاقی و مجلسی قدریں وراثت میں پائیں وہیں انہوں نے لکھنؤ میں بڑے بڑے جیّد علماء و خطباء کو قریب سے دیکھا اور انکی مجالس سننے کا شرف حاصل کیا ضمیر بھائی کی تعلیم تربیت لکھنؤ میں ہوئی یہی وجہ ہے کہ لکھنو سے انکا بڑا جذباتی لگاؤ ہے انکے نام کے ساتھ لکھنؤ کا ذکر لازم و ملزوم ہے بقول ساحر لدھیانوی:

نام میرا جہاں جہاں پہنچا ساتھ پہنچا ہے اس دیار کا نام

ضمیر بھائی کو قریب سے دیکھنے والا ہر فرد ان سے سوائے محبت کے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ انکی علمی شہرت ہر فرد کو اتنا متاثر کرتی ہے کہ اوپر سے نیچے تک ہر فرد ان سے متاثر نظر آتا ہے۔ میر انیس سے ضمیر بھائی بہت زیادہ متاثر ہیں کہ جن کی الہامی شاعری نے اردو زبان کو درجہ کمال تک پہنچایا ہے اور جن کے مرثیے تاریخ میں ادب کا درجہ رکھتے ہیں اور مرثیہ ضمیر بھائی کی تحقیق کا بھی خاص موضوع ہے۔ اسی لئے وہ دوران مجلس میر انیس کے اشعار کو شعر خوانی کی فنکارانہ صلاحیت کے ساتھ برحمل استعمال کر کے اپنی نثری گفتگو کو پر تاثیر بنانے میں ماہر ہیں یقیناً ضمیر بھائی کی ادبی حیثیت اور خطابت بہت اونچے درجے پر طے شدہ ہے دوران تقریر انکی کیفیت کا مشاہدہ کریں تو آپکو محسوس ہوتا ہوگا کہ جیسے ان پر الہام ہو رہا ہو علم کا ایک دریا ہے کہ جو بہتا ہی چلا جارہا ہے رکنے کا نام ہی نہیں لیتا ضمیر بھائی کی مثال آفتاب کی مانند ہے جو اس لئے نہیں نکلتا کہ دنیا سے اپنی روشنی کی قیمت وصول کرے بس وہ تو سب کو فیض ہی پہنچا رہے ہیں ان جیسی فیاض اور غنی دل شخصیت بہت کم ہوتی ہیں کاش ہم اب بھی ان جیسی شخصیتوں کی قدر کرنا نہیں سیکھے تو تاریخ ہم کو کبھی معاف نہیں کرے گی اور ہمارا نام بھی ان ناقدروں میں لکھا جائے گا جو پچھلے ادوار میں گذر چکے ہیں جن پر ہم تف کرتے ہیں اگر ہم نے بھی یہی رویہ اپنایا تو ہماری آئندہ نسلیں بھی ہم پر تف کریں گی آیئے دعا کریں کہ خداوند عالم محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقے میں ضمیر بھائی کو طبعی عمر عطا کرے اور انکی تحریر و تقریر سے ہم کو استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نسیم حسن پُتّن امروہوی
(شعبۂ انکم ٹیکس، کراچی)

علم کا سمندر

سب سے پہلے میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جنھوں نے اس پروگرام کا آغاز کیا خدا ان کے حوصلے بلند رکھے۔ سب سے مشکل کام کا آغاز کیا ہے اللہ تعالیٰ سب کی عزتیں برقرار رکھے۔

الحاج ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی، ان کی شخصیت پر بولنا یا لکھنا ہے۔ ماجد رضا عابدی، علاّمہ صاحب سے الگ نہیں ہیں۔ سلسلے وار تقریر ہو یا تحریر ہو دونوں سلسلے ار ہونی چاہئیں۔ مرثیہ خوانی کافی عرصے سے اکیلی پھر رہی تھی اس کی مایوسی دیکھ کر ماجد رضا نے اسے گود لے لیا۔ جتنے پڑھنے والے ہیں دو دو سال کا کلام پڑھتے ہیں لکیر کے فقیر ہیں لیکن ماجد رضا صاحب نے اس میں جان ڈال دی۔ مرثیہ اذان کی طرح ہو گیا تھا کہ جس طرح نماز سے پہلے اذان ہوتی ہے اس طرح تقریر سے پہلے سوز خوانی و مرثیہ خوانی۔ ماجد رضا جس صورت سے پڑھتے ہیں کلام کی مصرعوں کی جملوں کی عزت اور عظمت بڑھاتے ہیں بہت مستقل مزاجی سے ادائیگی کرتے ہیں ہر مصرعہ پر جملہ ماجد رضا عابدی پر درود بھیجتا ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے مجھے ذرا جھجک محسوس نہیں ہو رہی کہ ماجد رضا علاّمہ صاحب کو محفل سجا کر دیتے ہیں، حدیث کسا ایک معجزہ ہے اور جب ماجد رضا حدیث کسا پڑھتے ہیں تو انہیں پڑھتے دیکھ کر ہم معجزہ سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں۔ یہ توفیق مولا نے ماجد رضا عابدی کو ہی دی ہے۔ اب مسئلہ رہ گیا علاّمہ صاحب کا تو بھئی تعریف کرنا بہت آسان بات ہے باقی جہاں تک میں نے سوچا ہے تعریف کرنا بہت مشکل کام ہے۔ جس کے پاس علم نہیں ہے وہ کسی علم والے کی تعریف نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ کی اس کائنات

میں ہمارے اس سورج کے علاوہ بے شمار سورج ہیں ان میں سے کسی کو بھی چراغ دکھانا ہمارے بس کی بات نہیں بالکل اسی طرح علاّمہ صاحب کی شخصیت ایک سورج کی مانند ہے جسے روشنی نہیں دکھائی جاسکتی۔ للذا علاّمہ صاحب کی تعریف کرنا ایسے ہی ہے کہ جیسے سورج کو چراغ دکھانے کی کوشش کی جائے۔

اردو لغت میں جتنے بھی تعریف کے جملے ہیں سب کو اکٹھا کیا جائے جب تو علاّمہ صاحب کے علم کی تعریف ہوسکتی ہے سارے جملے تو مجھے یاد نہیں کہ ان کی تعداد کئی ہزار میں ہے سب کو اکھٹا کرنا یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اصل میں علاّمہ صاحب کی شخصیت کیا ہے میرا چیلنج ہے کوئی صاحب ڈھونڈ نہیں سکتے کیونکہ علاّمہ صاحب علم کے سمندر میں نہار ہے ہیں علم کا سمندر بنا ہی علاّمہ صاحب کے لئے ہے۔ ۱۴۰۰ برس کے بعد اہلبیتؑ کی طرف سے ہمیں یہ تحفہ دیا گیا ہے جس سے ہم سیراب ہو رہے ہیں۔ ہم اور ہمارا مذہب اور ہمارا عقیدہ سچائی پر ہے اور اسی وجہ سے ہم وجود میں آئے ہیں علم کے بہت بڑے امانتی ہیں امانت میں خیانت نہیں کرتے اگر تھوڑا سا میں آگے بڑھ جاؤں تو کوئی حرج نہیں ہے پوری فیملی ہی علم کی آبشار ہے۔ خطیب بنتے ہیں یا بنائے جاتے ہیں، علاّمہ صاحب پیدا ہی خطیب ہوئے تھے۔ اور میں تو اس نتیجے پر پہنچا کہ خطابت علاّمہ صاحب کی کنیز ہو گئی ہے۔

علاّمہ صاحب کے جتنے بھی سامعین ہیں، تقریریں سننے والے ہیں ان کی میں تعریف کر سکتا ہوں، ان میں، میں بھی شامل ہوں ہم کتنے بڑے انسان ہیں کہ علاّمہ صاحب کی تقریریں کثرت سے سنتے ہیں۔ میں فخریہ لکھ رہا ہوں کہ ہمیں سارے اماموں کی اور جناب سیدہؑ کی جانب سے توفیق عطا کی گئی ہے کہ ہم علاّمہ صاحب کی تقریریں سنیں۔ ہم سے بڑے دانشور سامعین کسی خطیب کو نہیں ملے۔ ہر تقریر سننے والا یہ چاہتا ہے کہ آج کی تقریر میں لوٹ کے لے جاؤں۔ جتنا بھی دنیا میں سچا علم ہے وہ علاّمہ صاحب کے پاس ہے جیسے کہ اللہ کی مخلوق میں ایک پرندہ ہنس ہے جو سچے موتی کھاتا ہے نہیں ملتے تو سر پٹخ پٹخ کر مر جاتا ہے اسی طرح علاّمہ صاحب اپنے سامعین کو سچے موتی کھلاتے ہیں۔ محبّ اہلبیتؑ ہونے کی وجہ سے ہماری غذا بھی سچے موتی ہیں جو علاّمہ صاحب ہمیں مہیا کرتے ہیں۔ علاّمہ صاحب جو غذا ہمیں

مہیا کرتے ہیں وہ انہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر، بارہ امام اور جناب سیدہؑ سے عطا ہوتا ہے۔ علاّمہ صاحب کے سامعین کتنے خوش نصیب ہیں کہ ضمیر اختر کے Period میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا۔

ہم بچپن سے ہندوستان سے لے کر پاکستان تک بڑے بڑے عالم، بڑے بڑے خطیبوں سے دس مجلسوں کا عشرہ سنتے آئے ہیں مگر ۲۹ تقریروں کا مربوط سلسلہ، یہ ہم نے علاّمہ صاحب سے سنا۔ انھیں اس کے لئے کسی نے مجبور نہیں کیا بلکہ خود انھوں نے یہ پروگرام ایجاد کیا ہے۔ ایک ہی منبر پر، ایک ہی علاقے میں ایک ہی مجمع کے روبرو یہ خطابت، علاوہ علاّمہ صاحب کے کوئی یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ ہم نے تو بچپن سے یہ دیکھا ہے کہ دس مجلسیں ایک خطیب پڑھتا ہے آدھی تو نعروں میں نکال دیتا ہے ڈھائی میں فضائل اور ڈھائی میں مصائب اور یوں یہ عشرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے عالم بڑے بڑے خطیب بڑے بڑے ملکوں سے آتے ہیں گیارہ تاریخ کی سیٹ OK کرا کے آتے ہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرا عشرہ پڑھنا پڑ جائے۔

حافظے کا یہ عالم ہے علاّمہ صاحب کے کہ اگر وہ کسی سے اس کا نام پوچھ لیں تو سمجھ لیں کہ اس نام کو عمر قید ہو گئی۔ سودا کھرا ہوتا ہے تو گاہک دوسرے دن وہیں جاتا ہے علاّمہ صاحب کی تقریر میں سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ پہلی تقریر میں جو انسان آجاتا ہے وہ دوسری تقریر کو چھوڑتا نہیں ہے، یہ ہے علم کی سچائی۔۔۔! انسان اتنے سمجھ دار اور علم والے ہیں کہ وہ کسی کے فراڈ میں نہیں آسکتے۔ علاّمہ صاحب کی صداقت، سچائی، پاکیزگی اور خلوص ان سب کا اثر یہ ہے کہ پانچ بجے سے سامعین گھڑی دیکھنے لگتے ہیں کہ کب ساڑھے آٹھ بجیں اور ہم علاّمہ صاحب کو منبر رسولؐ پر دیکھیں۔

تقریر سننے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ گویا علاّمہ صاحب کے پاس تقریروں کی فیکٹری لگی ہوئی ہے۔ علاّمہ صاحب کی تعریف صرف مولا علیؑ کر سکتے ہیں۔ جتنے اسلامی ممالک ہیں اور جن ممالک میں مسلمان ہیں، اسپیشل مسلمان یعنی کہ ہم اور اس برِصغیر میں ان میں ایک وقت آئے گا کہ ہم ہوں یا نہ ہوں، ضمیر اختر صاحب کا بول بالا ہو گا آج نہیں تو کل۔ اس تھوڑی سی تحریر کو زیادہ سمجھنا۔ ضمیر اختر زندہ باد۔

راجہ غلام عباس (گلشن اقبال)

"ساری تعریف اللہ کیلئے درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کیلئے"

الحمد اللہ شیعہ گھرانے میں آنکھ کھلی نماز، مجلس، ماتم جیسے بہترین عمل سے خوب واقف تھے اور ایک عرصہ سے یہ سب کچھ کر رہے تھے اکثر دعاؤں میں اللہ پاک سے اپنے دینی مذہبی علم کے اضافے کیلئے دعا کرتا۔ میری دعا قبول ہوئی تقریباً پندرہ سال سے رضویہ امام بارگاہ میں قبلہ ڈاکٹر پروفیسر ضمیر اختر نقوی صاحب کو مدح آلِ محمدؐ کرتے دیکھا بس ہم ان کے ساتھ ہو چلے بس وہ دن اور آج کا دن سب کچھ سمجھ میں آتا گیا ہر عمل میں روح کا آنا شروع ہو گیا مجلس عزا کیسے سنی جاتی ہے امام بارگاہ کیا ہے علم، تابوت یہاں تک کے رونا اور ماتم جیسی عظیم عبادت کی روح داخل ہوتی گئی۔

اب عقیدہ اس قدر مضبوط ہے کوئی اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا زندگی سے زیادہ قوت عزیز ہے کیونکہ ہمارا سب کچھ آلِ محمد علیہ السلام کیلئے ہے۔ امام بارگاہ میں داخل ہوتے ہیں جیسے جنت میں قدم رکھ دیا اپنے شیعہ ہونے پر فخر ہوتا ہے یہ سب کچھ خدا گواہ ہے قبلہ ضمیر اختر نقوی صاحب کو سننے کے بعد ہوا۔ علاّمہ صاحب محمدؐ و آل محمد علیہ السلام کی طرف سے ہم تمام مومنین کیلئے تحفہ ہیں۔ ان کے نمائندہ خاص ہیں۔

ذکر آلِ محمدؐ میں ہر لفظ ہدایت رکھتا ہے ذہن و روح کے پردوں کو ہٹا کر ہر چیز صاف ہونے لگتی ہے سامع خود کو اس جگہ محسوس کرتا ہے جس کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے۔

سال بھر مجلس عزا میں کئی جگہ جانا ہوتا ہے بہت سے ذاکرینِ آل محمدؐ کو سنتے ہیں لیکن آخر میں یہ ہی ہوتا ہے ہمارا دل ذہن عقل ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم بہت آگے چلے گئے محبت آلِ محمدؐ میں، یہ سب کچھ پہلے سن چکے ہیں ہم کو آگے جانا ہے۔

الحمدِللہ ہم بہت آگے آگئے لیکن یہ صدقہ آل محمدؐ ان کی خاص عنایت علاّمہ ضمیر

اختر نقوی صاحب جن کے خلوص پیار محبت اور ان کے عمل کو دیکھ کر آل محمدؑ کی تصویر نظر آتی ہے۔

لوگ ہمیں بھی عزت سے دیکھتے ہیں پیار کرتے ہیں یہ سب ان کی محبت کا اثر ہے جن کی وجہ سے ہم میں یہ تبدیلی آئی یہ سب کچھ ہم ان سے سیکھ رہے ہیں۔

علاّمہ صاحب سب مومنین سے پیار کرتے ہیں ان کے دکھ درد کو محسوس کرتے ہیں دل کی گہرائی سے دعائیں دیتے ہیں وہ سب کو اپنا سمجھتے ہیں اور اپنا سمجھ کر اس کی اصلاح کرتے ہیں وہ بے شک کوئی عالم ہو ذاکر ہو شاعر یا کوئی مومن ہو اسی کو لوگ برا محسوس کرتے ہیں۔ شروع میں ہم بہت کم مومنین کو ان کے ساتھ دیکھ کر گھبراتے تھے اب ہم زیادہ ہجوم سے گھبراتے ہیں یہاں سکون ہی سکون ہے اور علم ہی علم کی باتیں ہیں۔

ہمارے ساتھ تمام مومنین بڑے خوش ہو کر مجلس عزا کے اختتام پر دعائیں دیتے ہوئے علاّمہ صاحب کی درازیٔ عمر کے لئے ان کی صحت و تندرستی کے لئے گھروں تک دعائیں کرتے ہیں۔

اللہ پاک صدقہ آل محمد علیہ السلام ان کا سایہ ہم سب پر قائم رکھے اور یہ سلسلہ چلتا رہے اور انشاء اللہ چلتا رہے گا۔

(۴۵)

سیّد علی ابرار نقوی (انچولی)

خطابت کی معراج

میرا نام سیّد علی ابرار نقوی ہے۔ میرا اگرچہ فن خطابت سے کوئی تعلق نہیں مگر جب سے گذشتہ تین سال سے قبلہ الحاج ضمیر اختر نقوی کی تقاریر سننا شروع کیا تو اب سمجھ میں آنے لگا ہے کہ فن خطابت کہتے کسے ہیں۔ قبلہ صاحب کے بارے میں مجھ ناچیز کی رائے سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے مگر میں پھر بھی بغیر تمہید ایک واقعے سے ان کی خطابت کے اثرات اور طاقت پر روشنی ڈالوں گا کہ اگر فن خطابت کی کسوٹی پر کسی کو پرکھنا ہو تو اسے مجلس کے منبر پر دیکھو کہ آیا وہ رٹے رٹائے جملے بول رہا ہے یا پھر اس کے ذہن پر بابؑ علم سے علم القاء ہو رہا ہے۔

میرا تعلق آرٹ کے شعبے سے ہے ایک سال پہلے کی بات ہے کہ میں ایک آرٹ اسکول میں پڑھا رہا تھا وہاں ایک ایسے صاحب بھی ٹیچر تھے کہ جو کہ کمیونسٹ تھے۔ دوسرے تمام ٹیچرز اُن کے علم اور لفظوں کے وار سے بچ نہیں پاتے تھے وہ ہر وقت کسی نہ کسی بہانے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ نے کبھی مجلس سنی ہے۔ انہوں نے عرفان حیدر عابدی مرحوم کی تعریف کی کہ اس کی شعلہ بیانی مجھے بہت پسند تھی۔ میں نے اس کمیونسٹ کو قبلہ ضمیر صاحب کے بارے میں بتایا اور ایک دن انھیں چلنے کے لئے تیار بھی کر لیا۔ انہوں نے کہا تمہیں اس مجلس کے بعد بتاؤں گا تمہارے ذاکر نے کیا کیا باتیں غلط کیں ہیں۔ دوسرے ٹیچرز کہنے لگے کہ ارے یہ صاحب مسجد تو جاتے نہیں بھلا شیعاؤں کی مجلس کیا سنیں گے۔ خیر ہم امام بارگاہ پہنچ گئے۔ اس دن موضوع اسماعیل (علیؑ کا راستہ) جبرائیل (علیؑ کی طاقت) موضوع تھا۔ وہ صاحب میرے آگے بیٹھے تھے میں نے نوٹ کیا کہ جیسے قبلہ

ضمیر صاحب مجلس پڑھتے جاتے وہ صاحب ان کی ہر بات ہر دلیل پر سر ہلاتے جاتے تھے لگتا ایسا تھا کہ قبلہ ضمیر صاحب کو بھی الہام ہو گیا ہے۔

جب مجلس مصائب پر آئی تو وہ شخص جو کہ کبھی نعت نہیں سنتا تھا حسینؑ کے غم میں رونے لگ گیا۔

مجلس ختم ہوئی میں اُنھیں بس اسٹاپ تک چھوڑنے گیا وہ گلشن معمار میں رہتے تھے راستے میں میں چپ رہا مگر وہ مسلسل بولے جارہے تھے کہ ابرار ایسی علمی باتیں میں نے کبھی نہیں سنی اور خطابت کا انداز ایسا تھا کہ گویا وہ مجھ ہی سے مخاطب ہیں اور جب مصائب کی باری آئی تو پہلے میں نے سوچا کہ تمہارے سامنے میں کیسے رو سکتا ہوں مگر اس شعلہ بیان شخص نے ایک ایک لفظ سے ثابت کیا فطری چیزوں کے خلاف آدمی بے بس ہے اور پھر میں آنسوؤں کو کنٹرول نہ کر سکا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

ابرار جس قوم میں ایسے عالم اور ذاکر موجود ہوں اُنھیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

دوسرے دن وہ خود ہی ایڈریس معلوم کرتے کراتے مجھ سے پہلے مجلس میں پہنچ گئے۔ جب اسکول کے دوسرے ٹیچروں نے اسی ٹیچر سے دریافت کیا کہ آپ مجلس میں گئے تھے تو انہی صاحب کا جملہ تھا "آپ لوگ بھی جایا کریں"

میرا سر قبلہ ضمیر صاحب کی وجہ سے فخر سے بلند ہو گیا اور میں ضمیر صاحب کا اور بھی معتقد ہو گیا۔

چونکہ میرا تعلق رنگوں کی دنیا سے ہے اس لئے وہ مجلس میں کیسے فراموش کر سکتا ہوں جو انھوں نے حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے لباسوں کے رنگوں پر پڑھی تھی۔ اس وقت تو مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میں کسی آرٹ کا لیکچر سن رہا ہوں۔ ان کی تقریروں سے مجھے یہ فائدہ ہونے لگا ہے کہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کرنے کے قابل ہو گیا ہوں۔

ہمارے رنگوں کی دنیا میں تین بنیادی رنگ پیلا، نیلا اور لال ہیں اگر نیلے اور پیلے رنگ کو ملایا جائے تو ہرا رنگ بنتا ہے۔

قبلہ ضمیر صاحب نے بتایا کہ کائنات کی ہر شے میں یہ دونوں رنگ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں تب میری سمجھ میں آیا کہ کائنات میں ہر طرف بس حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ ہی

ہیں۔رنگ اور روشنی لازم وملزوم ہیں روشنی کا منبع سورج ہے۔ قبلہ صاحب نے بتایا کہ قرآن میں والشمس سے مراد سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اب ان کی روشنی سے یہ دونوں رنگ وجود میں آئے اور ان رنگوں کے ملاپ سے روشنی کا ایک رنگ ہے ۔اب حضورؐ کی حدیث سمجھ میں آتی ہے کہ میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہیں۔

لکھنے کو بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر عقل کہتی ہے کہ اس شخص کی بھی تعریف لکھی نہیں جاسکتی جو اس ہستی کی تعریف کرے فضائل کرے جسکے لکھنے میں سمندر اور جنگلات بھی بطور سیاہی وقلم کے کم پڑ جائیں۔ان کی مجلسوں میں جو باتیں بنیادی اہمیت کی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ تمہیدی بیان: جس کے ذریعے وہ سامع کو تیار کرتے ہیں کہ وہ آنے والے واقعات کو سمجھنے میں تامل نہ کرے۔ تمہید کے ذریعے وہ مجلس کا پس منظر بھی تیار کرتے ہیں۔

۲۔ربط وتسلسل: قبلہ کی یہ بڑی خصوصیت میں شامل ہے کہ ایک ساتھ وہ کئی واقعات کو لے کر چلتے ہیں کسی ایک اہم نقطہ کو سمجھانے کو اور وہ اصل موضوع سے نہیں ہٹتے اور نہ سامع کو موضوع سے ہٹنے دیتے ہیں۔

۳۔ تاریخ سے آگاہی: قبلہ کو تاریخ پر عبور ہے نہ صرف واقعات کی تاریخ بلکہ لفظوں کی، چیزوں کی، شہروں کی لوگوں کی، انھیں تاریخی نفسیات سے بھی خوب آگاہی ہے۔

۴۔ تحقیق اور تحقیق کی دعوت: قبلہ کی تقریر کے ہر جملے میں تحقیق نظر آتی ہے مثلاً انہوں نے نجف اشرف، کی تاریخ پر جو تحقیق کی وہ ماشاء اللہ قابل تحسین ہے۔ پھر سامع اس تحقیق پر مزید جستجو کرتا ہے اور مجلس کے اختتام پر قبلہ سے مزید معلومات کرتا ہے۔یہ پہلی مجلس ہے جس میں سامع فقط وقت گزار کر اپنے گھر نہیں جاتا بلکہ اس کی جستجو مجلس کے بعد بھی اسے روکے رکھتی ہے۔

۵۔ موضوعاتی مجلس: قبلہ ضمیر اختر پہلے مقرر اور اسکالر ہیں جو مجلس علیؑ کے فضائل اور حسینؑ کے مصائب کے علاوہ ہر امام پر پڑھتے ہیں۔ ہر دن اور ہر ہستی کے مطابق اسی موضوع پر تقریر کرتے ہیں جو میرے خیال میں میں نے آج تک کسی شخص کو پڑھتے نہیں دیکھا۔

۶۔ قوت حافظہ: قبلہ صاحب کے حافظہ پر حیرت نہیں ہوتی کیونکہ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ تمام وہ یاد کر کے نہیں سناتے۔ جب کوئی واقعہ آپ خود دیکھ لیں تو اسے یاد کرنے کی ضرورت نہیں

پڑتی۔ میں کیا کہوں کہ تمام واقعات انہوں نے کب اور کیسے دیکھے ہیں۔

۷۔ تولا اور تبرا: جس طرح اشاروں اور باتوں سے وہ تولا پڑھتے ہیں بلکہ زیادہ تر نام لئے بغیر تاریخی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خود بخود تبرا ہو جاتی ہے یہ ضمیر صاحب کا فن ہے۔ جس پر انہیں فخر ہونا چاہیے، ناز ہونا چاہیے۔

جب ان سات نکات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہی نکات تو قرآن میں بھی ہیں گویا قبلہ صاحب مجلس میں قرآن اور صاحبِ قرآنؐ و اہل بیتؑ کو پڑھتے ہیں۔

خدا انھیں اور عمر اور علم عطا کرے تا کہ وہ ہم جیسوں کی علمی تشنہ لبی کو بجھاتے رہیں۔

سیّد مشتاق حیدر زیدی (خداداد کالونی)
(نبیرہ نفیسؔ فتح پوری)

جناب علاّمہ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی صاحب اور ان کی خطابت

خداعزوجل کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانوں کی اصلاح اور ہدایت کے لئے اپنی سب سے بڑی نعمت محمدؐ و آلِ محمدؐ کو خلق فرمایا جن کی رحمتوں کا فیض روزِ اوّل سے جاری و ساری ہے اور بنی نوع انسان کے لئے باعث نجات ہے۔ اسی لئے پروردگار برحق نے ان کی محبت کو واجب قرار دیا، بعد رسول خدا، مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام نے اس چشمہ فیض کو آباد رکھا اور ہر مرحلے پر ضرورت مندوں کی راہنمائی فرمائی اور اپنی خوبصورت خطابت اور علمیت سے علیؑ بابُہا ہونے کا حق ادا کیا، پھر یہ چشمہ علم آئمہ اطہار سے ہوتا ہوا ان کے نائبین، مجتہدین، علماؑ اور ذاکرین تک پہنچا اور ماشاء اللہ آج بھی اسی آب و تاب سے جاری و ساری ہے۔ آج اس دورِ جدید میں جو اصحاب ان کی تاسّی کرتے ہوئے ان کی نیابت کے فرائض صحیح معنوں میں ادا کر رہے ہیں ان میں ہم بجا طور پر اور فخریہ طور پہ جناب ڈاکٹر علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کا نام پورے یقین اور اعتماد سے لے سکتے ہیں، کہ جن کی شخصیت، علمیت اور خطابت پر ساری شیعہ قوم کو بڑا ناز ہے اور آپ کی ذات ہم سب کے لئے فخر اور شکر کا باعث ہے، علاّمہ صاحب بیک وقت ایک عالم، عظیم محقق، تاریخ داں، ادب شناس، شاعر، علوم جدید سے واقف، علم عروض کے ماہر، مصنف، فلسفی، قدیم اور جدید اقوام سے واقف اور ایک انتہائی بے مثل خطیب ہیں کہ جن کی خطابت اس قدر دلکش اور دل نشیں ہے کہ راہ چلتے ہوئے کے قدم تھم جائیں، سامعین کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو، انداز ایسا کہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہو

طریقہ استدلال ایسا کہ کوئی بات گراں نہ معلوم ہو، اس قدر سادہ طریقے سے بیان ہوتا ہے کہ ہر لفظ دل میں اتر جائے اور منظر کشی کا تو جواب ہی نہیں گویا آپ واقعات سن نہیں رہے خود ملاحظہ کر رہے ہوں، سامعین پر ایک ایسا سحر طاری ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو منظر کا ایک حصّہ سمجھنے لگتے ہیں اور پھر جو تقریر کا لطف آتا ہے اس کی بات ہی اور ہے علاّمہ صاحب کی اکثر تقاریر ڈیڑھ سے دو گھنٹے پر مشتمل ہوتی ہیں مگر مجال ہے کہ کبھی جو طبیعت پر بوجھ معلوم ہو۔ ہمیشہ ایک، سرشاری، کی کیفیت میں سامع اٹھتا ہے بلکہ اکثر اوقات یہ خیال آتا ہے کہ ارے اتنی جلدی اتنا وقت گزر گیا، طبیعت سیر نہیں ہوئی ابھی کچھ دیر اور پڑھتے، ایک چھوٹی سی مثال دوں، علاّمہ صاحب حضرت امام حسینؑ علیہ السّلام کی جنگ کا احوال پڑھ رہے تھے۔ سامعین کے تمتماتے ہوئے پُرنور چہروں سے ایک عجیب جوش اور جذبہ کا اظہار ہو رہا تھا گویا پورے مجمع پر ایک سحر کی سی کیفیت طاری تھی جیسے وہ خود ان واقعات کا ایک حصّہ بن رہے ہوں اور نہایت قریب سے ان کو ملاحظہ کر رہے ہوں، جنگ کی کیفیت امام کا صبر اور شجاعت اور قوم جفاکار کی سرکشی یہ سب کچھ ان ہی کے سامنے ہو، کہ اچانک اسی کیفیت میں یہ تقریر ختم ہوئی تو سامعین کی سحر کی کیفیت ٹوٹی، تو بالکل ایسا لگا کہ وہ میدان کربلا سے ابھی ابھی آئے ہوں، خطابت کی شان یہ ہے کہ اگر فضائل اہلبیتؑ بیان ہو رہے ہوں تو سامعین کا گریہ پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے اور لوگ بے چین ہو کر شدت سے رونے لگتے ہیں خطاب میں یہ تاثیر کے سامعین ایک ایک لفظ کو توجہ اور انہماک سے سماعت فرماتے ہیں اور علاّمہ صاحب کی تقریر کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی لفظ سننے سے رہ جائے اور افسوس ہو، علاّمہ صاحب خطابت کے ایک ایک جز کا خیال رکھتے ہیں کہ کہاں بات کو دھیمے لہجہ میں کہنا ہے کہاں زور دینا ہے، کہاں اشعار کو کوڈ کرنا ہے اور اشعار کی ادائیگی اور استعمال، موقع و محل کا استعمال کوئی علاّمہ صاحب ہی سے سیکھے، ادائیگی بھی ایسی کہ اشعار بولتے ہوئے محسوس ہوں علاّمہ صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں، علم کا ایک بحر بے کراں ہیں، خطابت کی ایک عظیم الشان درس گاہ ہیں کہ بلاشبہ جہاں سے ذاکرین سیکھتے ہیں، علم کے نئے نکات حاصل کرتے ہیں طالب علم کے لئے بہترین استاد ہیں، ان کی تقریروں سے طلبا مشکل علمی مسئلوں کو نہایت آسانی سے حل کر لیتے ہیں، بلاشبہ علاّمہ صاحب کی ذات علم کے متلاشی کے لئے بڑا سہارا ہے جو آپ کی محفلوں میں اپنے علم کی پیاس

بجھاتے ہیں، نئے نئے راستوں کو پاتے ہیں نئ جہتوں کو تلاش کرتے ہیں شان خطابت یہ ہے کہ وہ نکات جو اور ذاکرین سے سننے کے بعد واضح نہ ہو سکے، علاّمہ صاحب نے اپنی تقاریر میں ان کو اس عمدگی سے بیان فرمایا کہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنی روح کے ساتھ حافظے میں سما گئے اور ایسا محسوس ہوا گویا آج یہ پہلی بار ہی سنا اور سمجھا ہے، آپ کی خطابت نے سامعین کے شوق کو مزید جِلا بخشی اور ذوق سماعت کو بلند کیا، وہ حضرات جو ایک مخصوص طرز سے اکتا گئے تھے، علاّمہ صاحب کی محفلوں میں جوق در جوق آنے لگے، یہی زور خطابت ہے کہ سامعین، میر انیسؔ، میر تقی میرؔ، جوشؔ، غالبؔ، مومنؔ اور دیگر شعرا اور ان کے کلام سے خوب واقف ہونے لگے اور اس بات کی تمنا کرتے ہیں کہ کب علاّمہ صاحب ان کے خوبصورت اشعار کو کوڈ Quote کریں اور اپنے دل نشیں لہجے میں پڑھیں کہ جس سے تقریر کا لطف دوبالا ہو جائے، یہ خطابت ہی کا اثر ہے جب علاّمہ صاحب دقیق اور پیچیدہ علمی مسئلوں کو بیان فرماتے ہیں تو سامعین اسی شوق، اور انہماک سے سماعت فرماتے ہیں اور کسی قسم کا کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتے۔

ہماری دعا ہے کہ خدا بہ طفیل محمدؐ و آلِ محمدؐ علاّمہ صاحب کو عمر طویل اور صحت عطا فرمائے ان کے علم کو جِلا بخشے اور ان کی توفیقات کو بڑھائے، اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں مومنین ان کے علم سے استفادہ کر سکیں، ہم اس بات کو اپنے لئے باعث فخر اور خوش نصیبی سمجھتے ہیں کہ ہم کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہم اس دور میں ہیں اور علاّمہ صاحب کی تقاریر مسلسل سن رہے ہیں اللہ ہماری اس خوش نصیبی کو قائم علاّمہ صاحب کو سلامت اور خوش رکھے۔ (آمین) بحق محمدؐ و آل محمدؐ۔

نقی حسین امروہوی (گلشنِ اقبال)

خطابت کا سمندر

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے۔

میری عمر ۵۵ سال ہے اور عرصہ ۴۰ سال سے ڈاکٹر علاّمہ ضمیر اختر نقوی سے متعارف ہوں۔ ڈاکٹر صاحب رضویہ سوسائٹی میں رہتے تھے اور میں گلبہار میں۔ میرے لئے صرف ایک بس اسٹاپ کا فاصلہ تھا جو محبِ اہل بیتؑ کے لئے تو کوئی فاصلہ تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی جب حد سے گزر جاتی ہے تو وہ معجزہ میں بدل جاتی ہے۔ اہل بیتؑ کی محبت میں جو سرشار رہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی خاص عنایت سے اس کا حافظہ اور حافظے کی قوت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ علاّمہ صاحب سے پہلے میری نظر میں علاّمہ رشید ترابی حافظے کے بادشاہ تھے۔ ان کو اتنا عبور حاصل تھا کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں اور ان کی مجلس کو شیعہ و سنّی حضرات بڑی دل جمعی اور دلچسپی سے سنتے تھے۔

میرا اپنا ذاتی نقطہ نظر یہ رہا ہے کہ گلبہار میں اپنے امروہے والوں کی مجلس میں، بہر حال میں شرکت کرتا خواہ ذاکر کوئی طفلِ مکتب ہی کیوں نہ ہو البتہ اچھے ذاکر کا ناغہ مشکل سے ہوتا تھا اور ہوتا ہے۔ اب جب سے علاّمہ صاحب نے لاہور جانا کم کر کے کراچی والوں کو اپنی شاگردی میں لے لیا ہے جب سے تاریخ کا ہر قاری، ان کی مجلس کو نہیں چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ قابلِ ستائش زورِ بیان اور وہ قوتِ بیان عطا کی ہے کہ بظاہر شخصیت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ اللہ ۴۰ کلو بھی وزن نہیں ہو گا اور اس پر علم کا ٹنوں وزن ایسے ہی اٹھا لیتے ہیں جیسے حضرت علی نے درِ خیبر اٹھا لیا تھا اور کیوں نہ اٹھائیں آخر کو محبِ اہلبیتؑ ہیں۔ مرثیہ جناب ماجد رضا

عابدی بڑے اچھے اور منفرد انداز سے پڑھتے ہیں علاّمہ صاحب بھی سنتے ہیں۔ اس کے بعد علاّمہ صاحب زیب منبر ہوتے ہیں اور پھر معلوم ہوتا ہے کہ ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور اتنا وقت نہیں ہوتا کہ آیات پڑھ لی جائیں اس کا لفظی ترجمہ اور ضروریات پر زور۔ بہت سے لوگ اعتراض کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ سورۂ کوثر پڑھیں پھر ترجمہ کریں پھر تشریح پھر مجلس پڑھیں۔ جب کہ علاّمہ صاحب کا مجلس پڑھنے کا مقصد یہ ہی ہوتا ہے کہ مجلس مین جو لوگ آتے ہیں ان کو، تاریخ کے طالب علم کو، غیر فقہ کے لوگوں کو اور جہاں جہاں ان کی آواز سنی جارہی ہے ان سب تک علاّمہ صاحب کا مقصد پہنچ سکے۔ ناسمجھ کے لئے مجلس یا علاّمہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ ایک عسکری مجلس پڑھتے ہیں لوگوں نے تو حضرت علیؑ کی خوبیوں اور حقیقت کو نہ پہچانا تو وہ علاّمہ پر بھی تنقید کر سکتے ہیں کیوں کہ ان کی اپنی عقل کا جغرافیہ کمزور ہے علاّمہ صاحب علم کی آنکھ ہیں وہ نوری مجلس پڑھتے ہیں۔ آنکھ کا اندھا ان کی بات اور مجلس کے حق کو سمجھ سکتا ہے جب کہ عقل کا اندھا ہی اصل اندھا ہے۔

میں نے محبِ اہل بیتؑ اور تاریخ کا طالب علم ہونے کے ناطے علاّمہ صاحب کی مجلس سے اپنے مطلب کا علم حاصل کیا ہے۔ جیسا کہ چیل ہزاروں فٹ کی بلندی سے نیچے کچھ بھی پڑا ہو وہ صرف اپنے مطلب کی چیز ہی دیکھتی ہے یہ الگ بات ہے کہ اگر اس کو تمام کی تمام اپنے مطلب کی چیزیں مل جائیں تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مجھے اپنے مطلب کی تمام چیزیں فضائل اہل بیتؑ، مصائب اہل بیتؑ اور علاّمہ صاحب سب یک جا مل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری عمر نہیں علاّمہ صاحب کی عمر میں اضافہ فرمائے۔ آمین۔

سیّد صغیر احمد نقوی

نامور خطیب

نامور خطیب سیّد ضمیر اختر نقوی کی خطابت پر سامعین کے تاثرات تقریری یا تحریری بیان کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ لٰہذا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھ ہیچ مداں کو بھی یہ جرأت ہوئی کہ میں اپنے دلی تاثرات اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں تحریر کرسکوں۔ موصوف سے ملاقات اس وقت سے ہے جب انھوں نے ۱۹۸۵ء میں رضویہ سوسائٹی چھوڑ کر بلاک نمبر ۲۰ فیڈرل بی ایریا کو اپنایا تھا۔ اس وقت سے آج تک ایک سامع کی حیثیت سے ان کی زیادہ تر مجالس اور محافل میں شریک رہا ہوں اور خصوصیت سے ان مجالس درس قرآن میں جو ماہ رمضان المبارک میں منعقد کی جاتی ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں، ان کی تقاریر نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے کہ اب دوسرے ذاکرین و خطباء کو سننے میں مزا نہیں آتا۔ ضمیر صاحب وقت ضائع کیے بغیر اپنی تقریر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے ہیں۔ ابتدا میں آواز نہایت دھیمی اور مدھم ہوتی ہے جو دوران تقریر بڑھ جاتی ہے مگر اتنی کہ سامعین کے کانوں پر گراں نہیں گزرتی۔ انھیں اپنی آواز پر مکمل گرفت ہے وہ جانتے ہیں کہ کہاں بات آہستہ کہنے کی ہے اور کہاں بلند۔ وہ ہر لفظ نہایت شائستہ اور سلیس بولتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ تقریر نہیں کسی ہار میں موتی پرو رہے ہوں۔ دوران تقریر کبھی زبان میں لکنت دیکھنے میں نہیں آئی، نہ ہی ایک جملہ کی تکرار نظر آتی ہے ہاں اگر کسی موضوع کو مزید سمجھانا ہو تو ایسے الفاظ میں سمجھاتے ہیں جو ہم پلہ ہوں۔ الفاظ کی ان کے یہاں کیا کمی؟ الفاظ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں کہ کب میرا نمبر آجائے۔

ان کی تقریر میں ایسی روانی اور تسلسل ہوتا ہے کہ مجمع ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے اور نعرہ تکبیر و صلوٰۃ تک کہنا بھول جاتا ہے۔ تاریخ ادب اور تاریخ اسلام پر نہایت گہری نظر ہے۔ جس کا اظہار ان کی خطابت میں کثرت سے نظر آتا ہے۔ بڑے پیارے Touches دیتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے انھیں غضب کا حافظہ عطا کیا ہے جس کا وہ بھرپور استعمال کرتے ہیں چھوٹی سے چھوٹی بات، ایک روایت کی تشریح وہ اس خوبی سے کرتے ہیں کہ وہ قد آور بن جاتی ہے اپنے موضوع سے پورا پورا انصاف کرتے ہیں اسے تشنہ نہیں چھوڑتے۔ البتہ عزبی آیات کی کمی اکثر کھٹکتی ہے۔ ایسی ایسی باتیں اور معلومات بہم پہنچاتے ہیں جنھیں حاصل کرنے کے لئے دسیوں کتابوں کی ضرورت پڑے۔ غرضیکہ ان کی تقریر کا ہر جملہ سننے والوں کے لئے اپنے علم میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ وہ ہمیشہ تصویر کا روشن رخ دکھلاتے ہیں یعنی Optimistic ہیں جبکہ دیگر ذاکرین تصویر کا تاریک پہلو دکھلا کر سامعین کو ڈراتے اور دھمکاتے رہتے ہیں۔

ہاں ایک بات اور کہ انھیں کبھی تنگیٔ وقت کی شکایت کرتے ہوئے نہیں سنا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اوروں کی نسبت کم وقت میں ان سے کہیں زیادہ بول لیتے ہیں اور یہ خطابت کی ایک خوبی ہے۔ مگر افسوس کہ قوم نے انھیں ابھی تک سمجھا نہیں اور شاید سمجھے بھی نہیں تا آں کہ ؎

اس کو بے مہری عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

سیّد شہر یار حسنین نقوی (انچولی)

علاّمہ ضمیر اختر صاحب کا فنِّ خطابت

علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب کی شخصیت اور فنِ خطابت یہ وہ دو موضوع ہیں جن کے بارے میں سامعینِ مجالس عزا کو اپنی آرا و احساسات کا اپنے مختصر مقالوں میں اظہار کرنا ہے اور ان میں سے جو موضوع میں نے اپنی صلاحیت، قابلیت اور علمی استعداد کے مطابق منتخب کیا ہے وہ ہے علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کا فنِ خطابت۔ میری ناچیز رائے میں علاّمہ صاحب کی شخصیت ایک بحرِ ذخار ہے جس کی گہرائی و گیرائی کا میں اندازہ نہیں کرسکتا۔ علاّمہ صاحب تقریر و خطابت کے ہی مردِ میداں نہیں ہیں بلکہ تحریر و تحقیق کے بے شمار میدانوں کے بھی شہسوار ہیں۔ نہ میرے قلم میں ایسی روانی ہے اور نہ طبیعت میں ایسی جولانی کہ میں علاّمہ کے شخصیت کی محض ایک پہلو کا سرسری جائزہ پیش کرنے کی جرأت و جسارت کرسکوں اس لئے میں نے اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا اور اپنی دانست میں نسبتاً آسان اور مختصر موضوع کو چُن لیا۔

میں نے اگرچہ مندرجہ بالا دونوں عنوانات یعنی موضوعات میں علاّمہ ضمیر اختر صاحب کے فنِ خطابت کے موضوع کو آسان سمجھ کر چنا ہے، مگر اب میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں، میرا قلم

جھجک رہا ہے میں حیران و ششدر ہوں کہ میں علاّمہ صاحب کے فنِ خطابت کی تعریف و توصیف تو کُجا، محض سرسری سے تبصرے کا بھی حق ادا کر سکوں گا یا نہیں۔ کیوں کہ خطابت اور وہ بھی چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فضائل و مناقب اور شہدائے کربلا و اہل بیتؑ اطہار کے مسائل و مصائب کے بارے میں خطابت! تقریر اور وہ بھی اسلام کے خوں چکاں ابواب کی تشریح اور فلسفہ آلِ محمدؐ کی توضیح کے سلسلے میں تقریر! یہ موضوع بھی ایسا ہے جس کے مختلف پہلوؤں پر رائے زنی چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی۔ تقریر و خطابت کے میدان میں بھی علاّمہ ضمیر اختر صاحب اپنی انفرادیت و اہمیت کا علم گاڑ چکے ہیں کراچی سے پاکستان کے اہم شہروں تک، بھارت سے یورپ و امریکہ نہ صرف عزادارانِ حسینؑ علاّمہ صاحب کی خطابت کے مدّاح اور شائق ہیں بلکہ دیگر مسالک و مذاہب سے متعلق سامعین و ناظرین علاّمہ صاحب کو خراجِ تحسین و آفرین پیش کرتے رہتے ہیں۔

میں، گزشتہ 26 یا 27 سال سے علاّمہ ضمیر اختر صاحب کو ایک رطب اللسان و شعلہ بیاں مقرر و خطیب کی حیثیت سے سنتا، جانتا اور مانتا رہا ہوں میں اپنے لڑکپن سے ہی اُن خوبصورت شخصیت، گرجدار آواز اور دلنشیں تقاریر کا مدّاح اور شیدائی ہوں میں اس بات کا شاہد اور گواہ ہوں کہ علاّمہ صاحب کی مودّت و محبت شدت و سرشاری میں عجیب انداز و الہانہ سے روز بروز اضافہ ہوتا گیا انہوں نے رفتہ رفتہ دنیا کے عام جھمیلوں اور فضول مشاغل سے کنارا کشی اختیار کی اور تحریر کے ذریعے مستقل طور پر دامن اہل بیتؑ سے اپنے آپ کو متمسک کر لیا پھر قرآن، حدیث و تفسیر، تاریخ ادب کے وسیع صحراؤں اور خار زار وادیوں میں تحقیق و تفتیش کا سفر شبانہ روز کرتے رہے۔ جیسے جیسے حقائق و معارف سے فیض یاب ہوتے گئے ویسے ویسے اپنے سامعین کو علوم محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بہرہ ور اور ان کی مودت سے سرشار کرتے چلے گئے۔

یہ سلسلہ فیضان ہنوز جاری و ساری ہے میری نظر میں علاّمہ ضمیر اختر صاحب کو علوم و معارف محمدؐ و آل محمدؐ کی جیتی جاگتی درس گاہ ہیں ان کی تقاریر سننے والے سامعین چاہے کسی اور مقرر یا خطیب کی تقاریر کتنی ہی بار سُن لیں ان کی تشنگی اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک وہ علاّمہ ضمیر اختر صاحب کی تقریر میں خوبصورت زبان کی چاشنی، دلنشین بیان کی سرشاری، لطیف اشارات کی لذّت اور عجیب کنایات کی جدّت سے استفادہ کر کے تحسین و آفرین اور گریہ وزاری کا

حق ادا نہیں کر لیتے۔ علاّمہ ضمیر اختر جب بھی اور جہاں بھی زیبِ منبرِ رسولؐ ہوتے ہیں تاریخ مذہب اور فلسفہ محمدؐ وآلِ محمدؐ سے نقطے سے نقطہ جتنوں سے جتنیں اور راہوں سے راہیں تلاش کر کے منزل بہ منزل رہنمائی کر کے اپنے سامعین کو دعوتِ فکر دیتے اور ان کو محوِ حیرت کرتے ہیں اور وہ ان کی لطیف وپاکیزہ جذبات واحساسات کو اُکساتے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی مجالس میں سامعین کے والہانہ جوش وخروش کے ساتھ نعرہ ہائے حیدری اور نعرہ ہائے صلوٰۃ سے امام بارگاہوں کی فضائیں گونجتی اور صدا ہائے گریہ وبکا سے درو دیوار گریہ کناں ہوتے ہیں ان کی کامیاب مجالس پر محمدؐ وآل محمدؐ کے دوست رشک کرتے اور دشمن انگاروں پر لوٹتے ہیں۔

میری دُعا ہے کہ خدائے تعالیٰ علاّمہ صاحب کو عرصہ دراز تک زندہ، توانا اور سلامت رکھے اور ان کی تقریر کی شعلہ بیانی اور طبیعت کی جولانی سے ذکرِ اہل بیتؑ وشہدائے کربلا آفاق میں دور اور دیر تک جاری وساری رہے۔

سید محمد علی

خطیبِ اعظم

خطیبِ اعظم، ادیبِ اعظم، محقّقِ اعظم علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی، بظاہر تو یہ ایک شخصیت کا نام ہے مگر جو علمی، ادبی، مذہبی، صحافتی کام کوئی ادارہ یا کئی ادارے مل کر انجام دیتے ہیں وہ خدمات تنہا علاّمہ صاحب انجام دے رہے ہیں۔

دو عنوانات دیئے گئے ہیں (۱) علاّمہ صاحب کی شخصیت (۲) علاّمہ صاحب کی خطابت۔ پہلے موضوع پر کچھ لکھنا اہلِ علم اور دانشوروں کا کام ہے۔ میرے جیسے کم علم کے لئے تو دوسرے عنوان پر بھی کچھ کہنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے میری یہ باتیں تو صرف "حسینؑ کے عزادار کا اس عہد کے سب سے بڑے ذاکرِ حسینؑ کو خراجِ عقیدت ہے"۔

سب سے بڑی مشکل تو یہ آن پڑی کہ علاّمہ صاحب کی خطابت پر بات کس طرح شروع کی جائے۔ کیونکہ نئی صدی اور نئے ملینیم کا آغاز ہو رہا ہے۔ اسی حوالے سے ہم بھی اپنی بات شروع کرتے ہیں۔ دنیا میں ہر طرف نئی صدی کا چرچا ہے۔ تمام لوگ ہزاروں طریقے سے جشن منا رہے ہیں۔ مگر ہمیں فخر حاصل ہے کہ ہم نے اس صدی کا آغاز علاّمہ صاحب کی تقریر سُن کر کیا۔ یہ عہد کمپیوٹر کا عہد ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ پر اس کی گرفت ہے خصوصاً جدید ذرائع لبلاغ اس کے بغیر حرکت نہیں کر سکتے۔ دیکھا جائے تو یہ اس دور کا بے تاج بادشاہ ہے۔ مگر خطابت ایسا شعبہ ہے جو اس کی دسترس سے باہر ہے۔ کمپیوٹر اور سب کچھ کر سکتا ہے مگر خطابت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس سے تشبیہ دینا بے کار ہے۔ کہاں خطیبِ اعظم کی خطابت کہاں بے چارہ کمپیوٹر۔

اس کے بعد سوچا کہ اس طرح آغاز کریں کہ علاّمہ ضمیر اختر صاحب خطابت کے میر انیسؔ ہیں۔ یہ بات ایک حد تک تو صحیح ہے۔ مانا کہ میر انیسؔ کا چمنِ نظم آج بھی مہک رہا ہے۔

اقلیمِ سُخن پہ آج بھی انکا قبضہ ہے اور کلامِ انیسؔ سرِ عرش جگمگا رہا ہے۔ لیکن جہاں تک موضوع اور عنوانات کا تعلق ہے تو اس مملکت کے بادشاہ صرف خطیبِ اعظم ہیں۔ انہوں نے جتنے عنوانات اور زاویوں سے فضائلِ آلِ محمدؐ کو پیش کیا ہے وہ اردو ادب میں اور کہیں نہیں ملتا، لہٰذا اس بحث سے مقصد حل نہیں ہوتا۔

اس کے بعد سوچا کہ ایک روائتی محاورے سے آغاز کریں کہ علّامہ صاحب کی خطابت پر کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ لیکن جو سورج روز مشرق سے ابھرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس سے ہزاروں گنا بڑے سورج کہکشاں میں موجود ہیں اور یہ تمام سورج بھی قیامت کو دفن ہو جائیں گے جبکہ اہلبیتؑ اور مدحِ علیؑ زندۂ جاوید ہے اور یہ قیامت سے بھی آگے جائے گی۔ اس طرح سے یہ محاورہ بھی برمحل نہیں ہے۔

ذاکرِ حسینؑ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا فخر ہو سکتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک جو فرشتوں اور انسانوں کے ساتھ خود بھی نبیؐ پر درود بھیجتا ہے وہی اللہ خود ذاکرِ حسینؑ بھی ہے۔

علمِ قرآن، حدیث، تاریخ، فلسفہ، منطق، ادب، سائنس جب مودّتِ آلِ محمدؐ میں ڈوب کر الفاظ کی شکل اختیار کرلیں اور الفاظ روشن ذہن اور خوبصورت آواز کے ذریعے غدیر اور کربلا کے رنگ منبر پر بکھیرنے لگیں اور سامعین کبھی سبحان اللہ تو کبھی ہائے حسینؑ کہہ رہے ہوں تو یہ لازماً علامہ صاحب کی تقریر ہو رہی ہوگی۔

آپ کی خطابت کے تمام اوصاف کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو کئی کتابیں بن جائیں گی۔ ہم یہاں چند خاص پہلوؤں کو مختصراً پیش کر رہے ہیں۔

خطبہ اور تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم، ساری تعریف اللہ کے لئے درود و سلام محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے لئے۔ یہ وہ جملہ ہے جس سے ہر تقریر کا آغاز ہوتا ہے، آپ طویل عربی خطبہ پڑھنے سے گریز کرتے ہیں تاکہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ باتیں بتائی جا سکیں۔ اس کے بعد آپ عنوان یا موضوع کا اعلان کرتے ہیں، آواز انتہائی دھیمی اور بیان میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ تمہید انتہائی آسان اور عنوان کی روشنی میں شروع ہوتی ہے۔ انداز اتنا پرکشش ہوتا ہے کہ

ابتدا ہی سے سننے والوں کے ذہن پوری طرح سے ذاکر کی گرفت میں چلے جاتے ہیں۔ سامعین کا تجسّس بڑھنے لگتا ہے۔ تھوڑی سی تمہیدی گفتگو کے بعد اچانک علاّمہ صاحب موضوع کی دلیل کے طور پر ایسا نکتہ پیش کرتے ہیں کہ سامعین کے اذہان پوری طرح بیدار ہو جاتے ہیں۔ واہ واہ۔ سبحان اللہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

جیسے جیسے تقریر آگے بڑھتی ہے لہجہ اور آواز کا اتار چڑھاؤ بھی بڑھ جاتا ہے۔ نکات پہ نکات اور جملے پہ جملے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ آواز کے ساتھ ساتھ ہاتھ، بازو اور چہرہ بھی الفاظ اور جملوں کے مطابق حرکت کرنے لگتے ہیں اور تقریر اپنے نقطۂ کمال کی طرف بڑھنے لگتی ہے۔

فضائل

جب تقریر اپنے شباب پر پہنچتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ولائے علیؑ کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور آپ اس میں سے موتی چن چن کر منبر سے لُٹا رہے ہیں۔ آلِ محمدؐ کے فضائل کے دلائل میں خوبصورت نکات اور جملے اس طرح آتے ہیں جیسے علم کا مینہ برس رہا ہو یا تاریخ شاعری کر رہی ہو۔ خصوصاً مولا علیؑ کے فضائل تو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بے اختیار حُبِّ علی آنکھوں سے چھلک پڑتی ہے اور دل میں چھپا ہوا نُصیری انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ مومن اور منافق کا فرق چہروں سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہر طرف صلوٰۃ اور نعرۂ حیدری کا شور ہونے لگتا ہے۔

علاّمہ صاحب نے علومِ امامیہ اور فضائلِ آلِ محمدؐ پر اتنی تحقیق کی ہے کہ بڑی سے بڑی تاریخی اُلجھنوں کو چند جملوں اور نکات میں سلجھا دیتے ہیں اس طرح سننے والوں کے ذہنوں سے تاریخ پر چھائی ہوئی گرد چھٹ جاتی ہے اور حق کا مسکراتا چہرہ نظر آنے لگتا ہے۔ آپ کا ایک ایک جملہ اور ایک ایک نکتہ اپنے اندر پوری پوری داستان سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔

دشمنانِ دین سے بیزاری آپ کی خطابت کا لازمی حصّہ ہوتا ہے۔ آپ مسلمانوں کی تاریخ کے رِستے ہوئے ناسوروں پر بڑی کامیابی سے نشتر چلاتے ہیں، اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ آپ تاریخ کے اس آپریشن سے پہلے کلوروفارم بھی نہیں دیتے، اس طرح سانپ بھی مر

جاتا ہے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹتی۔ بقولِ میر انیسؔ

"سر کٹ رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی"

آپ کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ کسی بھی موضوع پر مختلف انداز سے کئی تقریریں فی البدیہہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے لئے کسی بھی عنوان پر تقریر کرنا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ کسی بڑے شاعر کے لئے ایک سلام کہنا ہوتا ہے۔ یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ جو تقریر ایک مرتبہ کر دی اسے کبھی دُہرایا نہیں۔ جیسے کہ دریا کے پانی کا ریلہ ایک مقام سے گذرنے کے بعد دوبارہ اس جگہ واپس نہیں آتا اسی طرح جو تقریر یا کوئی نکتہ یا جملہ ایک مرتبہ ادا کر دیا پھر دوبارہ کبھی نہیں دُہرایا۔

مصائب

اردو ادب میں کئی ادیب، شاعروں اور خطیبوں کو شہنشاہِ مصائب اور مصوّرِ غم کے خطاب سے جانا جاتا ہے لیکن حقیقت میں مصوّرِ کربلا اور مُبلّغِ عزا صرف آپ ہی ہیں۔ آپ مصائب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا کربلا سامنے سجی ہوئی ہے۔ نہ صرف خود سب کچھ آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں بلکہ سامعین کو بھی اپنے ساتھ میدانِ کربلا، بازارِ کوفہ، دربارِ شام اور زندانِ شام میں لئے پھر رہے ہوں۔

جب فضائل نقطۂ شباب پر ہوتے ہیں تو اچانک ایک جملے سے ربطِ مصائب پیدا کر دیتے ہیں اور واہ، واہ اور سبحان اللہ کا شور آنسوؤں اور گریہ میں بدل جاتا ہے۔ یہ غمِ حسینؑ کا زندہ معجزہ ہے کہ ادہر ذاکر نے حسینؑ کا نام لیا اُدھر اشکوں اور گریہ کا سیلاب رواں ہوا۔ آپ مقاتل سے صحیح روایات بڑے پُرسوز طریقے سے پڑھتے ہیں جسے سُن کر پتھر سے پتھر دل بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۱۹۹۷ء میں امام بارگاہِ چہاردہ معصومینؑ کراچی میں ایک مجلس سے تقریباً تین گھنٹے خطاب کیا اور ایک گھنٹے مصائب پڑھے۔ شہزادہ علی اصغرؑ کی شہادت کا حال آپ نے اتنے پُر درد انداز میں پڑھا کہ مجلس میں موجود ہر مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا، ہر طرف رقت طاری تھی، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ در و دیوار گریہ کر رہے ہوں۔ درجنوں

افراد شدّتِ گریہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ خود میرا بُرا حال تھا کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جسم کا سارا خون آنسو بن کر آنکھوں سے بہہ گیا ہو اور سارا جسم خشک ہو گیا ہو۔ قریب تھا کہ میں بھی بے ہوش ہو جاتا کہ مجلس تمام ہو گئی۔ مجلس تو ختم ہو گئی مگر آدھے گھنٹہ بعد تک لوگ عزاخانے کے دروازوں اور دیواروں سے لپٹ کر روتے رہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ رقّت آمیز مجلس دیکھی نہ سُنی۔

آواز

آواز وہ عطیۂ خداوندی ہے جس کی آپ نے خوب حفاظت کی ہے، خدا اسے نظرِ بد سے بچائے، آپ کو آواز کے استعمال پر بڑی مہارت حاصل ہے۔ آپ اس کو موضوع کی مناسبت اور مضمون کی نزاکت سے بڑی خوبصورتی سے الفاظ میں ڈھالتے ہیں۔ کبھی تو یہ لہجے کی ذوالفقار سے مرحب وعنتر کے سر قلم کرتی ہے تو کبھی امام حسینؑ کے استغاثہ پر لبیک کہتی نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ آواز آپ کی خطابت کی شان ہے۔

ہاتھوں اور بازوؤں کی مناسب حرکت

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آواز کے ساتھ ساتھ آپ کے ہاتھ اور بازو بھی اس طرح حرکت کرتے ہیں کہ مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور بیان کی روانی بڑھ جاتی ہے، جب کوئی خاص بات سمجھانا ہوتی ہے تو بار بار اپنے ہاتھ کو منبر پر اور کبھی دوسرے ہاتھ پر زور زور سے مارتے ہیں، بعض مرتبہ تو ہتھیلیوں کی سُرخی دور سے نظر آنے لگتی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ نے جنگِ جمل میں ذوالفقار چلنے کا منظر دکھایا، آپ نے ہاتھ کو اتنا بلند کیا کہ جیسے امیرِ شام کے لشکریوں کی گردنیں اس کی زد میں ہوں، پھر آپ نے ہتھیلی کو اس طرح سیدھا کیا جیسے تلوار کی دھار شہہ رگ پر رکھی ہو۔ اسکے بعد آپ نے بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ چلا کر بتایا کہ کس طرح علیؑ نے پوری صف کی گردنیں اُڑا دیں، پھر اسی طرح ہاتھ کو نیچا کر کے بتایا کہ بغیر ہاتھ روکے علیؑ نے پلٹ کر لشکر کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ اس منظر کا صحیح لُطف تو اس مجلس

کے حاضرین نے ہی اٹھایا جو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

ایک اور تقریر میں اشاروں کی مدد سے آپ نے اس طرح منظر کشی کی کہ ظالم درِ زہراؑ پر جمع ہو گئے، باہر ظالم تھے ان کے سامنے جنابِ سیدہؑ کے گھر کا دروازہ، دروازے کے پیچھے حضرت فاطمہؑ اور حضرت فاطمہؑ کی پشت پر دیوار، ظالم شور کر رہے تھے کہ علیؑ کو باہر نکالو اور وہ دروازے کو دھکیلتے ہوئے خانۂ بتولؑ میں داخل ہو گئے۔ دروازے کا پلّہ دیوار سے مل گیا اور دیوار اور کواڑ کے درمیان جنابِ سیدہ دب کر رہ گئیں۔ آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں، اور پہلو شکستہ ہو گیا آپ نے چیخ مار کر کہا فضہ ہائے میرا محسن!

پڑھنے کے انداز "پڑھت" تو تحت اللفظ کا خاصہ ہوتا ہے مگر آپ خطاب میں بھی ایسی جادوگری دکھاتے ہیں کہ الفاظ اپنے منہ سے اپنے معنی بیان کرتے نظر آنے لگتے ہیں۔

وہ وقت تقریر کا نقطۂ کمال ہوتا ہے جب آپ تمام دلائل اور واقعات سے اپنے بیان اور موقف کو ثابت کر دیتے ہیں اور بعض مرتبہ تو فرطِ جذبات سے منبر کے پائیدان پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سامعین سے محبت

آپ اپنے سامعین سے بہت محبت کرتے ہیں، اُن کی بہت حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ان کے حُسنِ سماعت کی تعریف کرتے ہیں، گاہے بہ گاہے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں، عزاداروں کو ان کا رتبہ بتاتے ہیں، ان کی اہمیت اس طرح اجاگر کرتے ہیں کہ عزاداروں کا سر غرور سے بلند ہو جاتا ہے، تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ سامعین کی تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ہیں اسی لئے اگر کوئی مسلسل علّامہ صاحب کی تقاریر سنتا ہے تو وہ مجلس کے آداب سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے، اس کی فکر بلند، شعور پختہ اور عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے، وہ داد دینے میں بھی کبھی کنجوسی نہیں کرتا ہے، اور حقِ گریہ ادا کرنے کے لئے اشکوں کے گوہر لٹا دیتا ہے۔

سامعین کسی بھی تقریر کا لازمی حصہ ہوتے ہیں، علّامہ صاحب کے سامعین بڑے باشعور اور خوش عقیدہ ہیں وہ آپ سے بڑی محبت کرتے ہیں وہ مجالس میں پابندی سے شرکت

کرتے ہیں، ہر نکتے، جملے اور لفظ پر دل کھول کر داد دیتے ہیں۔ مومنین کے علاوہ مومنات بھی آپ کی مجالس میں بڑی تعداد میں شرکت کرتی ہیں۔ مومنات کی عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ میں خواتین کے بیٹھنے کا انتظام اوپر کی منزل پر ہوتا ہے۔ جہاں گنجائش بہت ہی کم ہے اس لئے زیادہ تر خواتین کھڑے ہو کر دو، دو، تین، تین گھنٹے تقریر سماعت کرتی ہیں، رمضان المبارک میں علّامہ صاحب کی شخصیت اور خطابت پر مقالے پڑھے گئے یہ تقریب چھ گھنٹے جاری رہی، مومنات نے روزہ افطار کے بعد چھ گھنٹے تک مسلسل کھڑے ہو کر تقاریر سنیں، یہ کسی بھی خطیب کے لئے بڑے فخر کی بات ہے۔

کبھی کبھی آپ غیر حاضر سامعین کو اصلاح کی خاطر سخت لہجہ میں سمجھاتے ہیں تاکہ وہ بھی شریکِ مجلس ہو کر اجرِ رسالت ادا کریں۔ یا کبھی اُن حاضرین کو جو آدابِ مجلس کو ملحوظ نہیں رکھتے اور مجلس میں بیٹھ کر غیر سنجیدہ حرکات کرتے ہیں خاص طور پر جو مصائب سن کر بھی گریہ نہیں کرتے آپ ان کو ڈانٹ بھی دیتے ہیں، خطابت کے اس انداز کو بہت سے لوگ برداشت نہیں کرپاتے ہیں، وہ آپ پر شدید تنقید کرتے ہیں اور مخالف ہو جاتے ہیں، بلکہ میرا مشاہدہ ہے کہ بہت سے چھپے ہوئے مخالفین صرف اسی مقصد سے مجلس میں آتے ہیں کہ تقریر کے دوران اپنی حرکتوں سے علّامہ صاحب کو غصہ دلائیں تاکہ آپ اپنے موضوع سے ہٹ جائیں اور وہ آپ کی خطابت کو تنقید کا نشانہ بنا سکیں۔

پہلا واقعہ

امام بارگاہ علی رضاؑ، ایم اے جناح روڈ، کراچی کی قدیم روایت ہے کہ جب مرکزی جلوس گذر رہا ہوتا ہے تو وہاں مجلس ہوتی ہے، یہ ۱۹۷۹ یا ۱۹۸۰ کا واقعہ ہے کہ آپ چہلم کے جلوس کے دوران امام بارگاہ علی رضاؑ میں مجلس میں تقریر کر رہے تھے، آپ نے ایک نکتے کی دلیل میں ایک "غیر معصوم شخصیت" کے قول کا حوالہ دینے کے لئے ابھی صرف اس شخصیت کا نام ہی لیا تھا کہ مجمع سے ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور چلانے لگا کہ یہ غلط ہے، یہ جھوٹ ہے، یہ جملے اس نے کئی بار دہرائے، علّامہ صاحب بڑے اطمینان سے منبر پر خاموشی سے اس نوجوان کو دیکھتے رہے، حاضرین سخت غصے میں تھے قریب تھا کہ اس نوجوان کی پٹائی

شروع ہو جاتی، آپ نے نہایت نرمی اور بردباری سے اس نوجوان اور سامعین کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ تہذیب ملاحظہ فرمائی ہماری قوم کے نوجوانوں کی، ہمیں اپنی مجلسی تہذیب پر بڑا ناز ہے، مگران صاحب (اس نوجوان) نے ہماری بات سننے سے پہلے ہی فیصلہ کر دیا۔ اس طرح آپ کی شفقت اور نرم خوئی کے سب قائل ہو گئے۔

اس واقعہ کے سلسلے میں مجھ سے بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ شروع میں میں نے اپنی کم علمی اور کوتاہ عقلی کے مطابق پورے واقعہ کو سمجھنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے کچھ پریشانی ضرور ہوئی۔ لیکن جب میں نے گہرائی اور حقیقت پسندانہ طریقہ سے غور کیا یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ کوئی بھی عزادار کسی بھی صورت میں مجلسِ حسینؑ اور ذکرِ علمدارِ حسینی میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو معاف نہیں کر سکتا۔ بلکہ میرے جیسا شخص تو مرنے مارنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ مگر علاّمہ صاحب نے عالمانہ انداز سے بڑی نرمی سے کام لیا۔

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ''غمِ حسینؑ'' اور ''خطابت'' علاّمہ صاحب کا ''مشن'' ہے۔ یہ ان کا ذریعہ معاش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے پیشِ نظر عزائے حسینؑ کی آڑ میں ذاتی اغراض و منفعت ہوتی ہے ان سے علاّمہ صاحب کی ہمیشہ سے مخالفت چلی آ رہی ہے یہ لوگ کبھی نہیں چاہتے کہ علاّمہ صاحب کی خطابت سے ان کی اجارہ داری ختم ہو۔ اس کے لئے وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

دوسرا واقعہ

امام بارگاہِ چہاردہ معصومینؑ، انچولی کراچی، جس کے چاروں طرف مومنین کی آبادی ہے اور قریب ہی مرکزی امام بارگاہ اور مسجد بھی واقع ہے، ۱۹۹۹ء اسی امام باڑے میں عشرۂ محرم میں ایک مجلس کے دوران ابھی علاّمہ صاحب نے چند جملے ہی کہے تھے کہ بجلی چلی گئی، کیونکہ مجمع بہت زیادہ تھا۔ بہت سے لوگ باہر گاڑیوں میں بھی تقریر سن رہے تھے اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ لاؤڈ اسپیکر کے بغیر تمام سامعین تک آواز پہنچ جائے، لہٰذا علاّمہ صاحب منبر سے اتر گئے اور ماجد رضا سلام پڑھنے لگے، تھوڑی دیر بعد بجلی آ گئی، علاّمہ صاحب پھر زیبِ منبر ہو گئے، مگر ابھی چند کلمات ہی ادا کئے تھے کہ پھر بجلی چلی گئی، اس مرتبہ صرف امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ کی ہی بجلی گئی تھی۔ باقی سارے علاقہ میں بجلی موجود تھی، قریب ہی دوسرے امام

بارگاہ میں بھی مجلس ہو رہی تھی جس کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی، اب بغیر مائیک کے کچھ کہنا اور بھی مشکل ہو گیا تھا، لہٰذا علّامہ صاحب پھر منبر سے اتر گئے، تھوڑی دیر بعد پھر بجلی آگئی مگر جیسے ہی خطاب شروع ہوا پھر بجلی چلی گئی، یہ آنکھ مچولی کئی مرتبہ ہوئی، علّامہ صاحب اپنی بات نہ کہہ سکے، تمام حاضرین سخت برہم تھے، واضح رہے کہ یہ کسی نے جان بوجھ کر شرارت کی تھی کیونکہ باقی سارے علاقے میں بجلی موجود تھی۔ مجلس کے مقررہ اختتامی وقت سے تقریباً دس منٹ پہلے بجلی آگئی، اب علّامہ صاحب زیبِ منبر ہوئے، آپ بہت غصّے میں تھے۔ آپ نے مجلس خراب کرنے والوں کو انتہائی برا کہا، اور انہیں منبر، عَلم کے توسط سے بد دعائیں دیں، خطابت کا یہ انداز سامعین کے لئے بڑا اجنبی اور غیر متوقع تھا، سامعین تذبذب کا شکار ہو گئے اور ان کی ہمدردیاں دشمنوں کے حق میں چلی گئیں، کافی دیر میں جا کر اس واقعہ کا اثر زائل ہوا۔

اس واقعہ کا پس منظر اس طرح ہے کہ ہر سال کراچی میں علّامہ صاحب محرّم میں عشرۂ اعلیٰ میں تین مقامات پر خطاب کرتے ہیں جو سب بعد نمازِ مغربین شروع ہوتے ہیں۔ ہماری یہ خواہش تھی کہ علّامہ صاحب سہ پہر کو کہیں خطاب کریں کہ اچانک اعلان ہوا کہ آپ امام بارگاہِ چہاردہ معصومینؑ میں شام کو عشرۂ مجالس سے خطاب کریں گے۔

عشرہ بڑا کامیاب ہو رہا تھا۔ ہر روز مومنین کا رَش بڑھتا جا رہا تھا کہ محرم کی ۸ تاریخ آگئی۔ اس روز علّامہ صاحب کو "غازی عباسؑ" کے فضائل و مصائب بیان کرنا تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ باقاعدہ منصوبہ کے تحت مجلس میں رکاوٹ ڈالی گئی۔ ہزاروں سوگوار سامعین بی بی سیدہؑ کو پرسہ نہ دے سکے۔

علّامہ صاحب نے ذکرِ "قمرِ بنی ہاشم" میں خلل ڈالنے والوں کو بُرا ضرور کہا۔ یہ فطری ردِّ عمل تھا۔ اس بات کو اس طرح سمجھ لیں کہ اگر ہم کسی جلوس میں شریک ہوں اور کوئی دشمنِ عزا جلوس کو روکنے کی کوشش کرے یا "غازی کے علم" کو چھیننے کی جسارت کرے تو ہمارا کیا ردِّ عمل ہو گا؟ میں کسی اور کی بات نہیں کرتا مگر اس صورتِ حال میں مَیں ہر اس ہاتھ کو توڑ دوں گا جو بُری نیّت سے علم کی طرف بڑھے گا۔ اور ہر اس شخص کو جہنّم رسید کر دوں گا جو جلوس روکنے کی کوشش کرے گا۔ چاہے نتیجہ کچھ بھی نکلے۔ اب چاہے جلوس ہو یا مجلسِ

حسینؑ اس کو خراب کرنے والوں کا انجام بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ مگر علاّمہ صاحب نے بڑے ضبط وصبر سے کام لیا۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ آپ نے کسی شریکِ مجلس سامع یا عزادار کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ بلکہ مجلس کے متبادل انتظام یعنی "ڈیزل جنریٹر" نہ ہونے پر سامعین سے معذرت کی اور منتظمین کو ہدایت کی کہ آئندہ "جنریٹر" کا انتظام رکھیں تاکہ زحمت سے بچا جا سکے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اعتراض کرنے سے پہلے تمام پہلوؤں پر غور کر لیا کریں۔ تاکہ حقیقت سمجھ میں آسکے۔

اب یہاں میں علاّمہ صاحب کے مخالفین کی رائے اور تاثرات پیش کرنا چاہتا ہوں، خیالِ خاطرِ احباب کے پیشِ نظر ان حضرات کے نام ظاہر نہیں کر رہا ہوں، یہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مخالفین آپ کی ذات اور شخصیت سے شدید اختلاف رکھتے ہیں، اور بہت تنقید بھی کرتے ہیں، مگر آپ کی خطابت پر انگلی نہیں اٹھا سکتے ہیں، ہم نے بہت سے لوگوں سے آپ کی رائے پوچھی جن میں سے چند پیشِ خدمت ہیں :

۱۔ کراچی کے مشہور سوز خواں، شاعر اور صحافی جو کہ علاّمہ صاحب کے بڑے مخالفین میں سے ہیں انہوں نے آپ کی ذات پر بڑی شدید تنقید کی اور آپ کی نجی زندگی کے بعض پہلوؤں کو نشانہ بنایا، مگر وہ آپ کی خطابت اور علم پر کوئی تنقید نہ کر سکے۔

☆ان کے لگائے ہوئے الزامات کی فہرست خاصی طویل ہے۔ یہاں میں صرف اتنا کہوں گا کہ بلاشبہ میرے اس سوز خواں دوست نے اپنی آواز سے ہزاروں سوگوار آنکھوں کو رُلایا ہوگا۔ مگر ان کے قلم نے ایسی دل آزار اور گمراہ کُن تحریر کو جنم دیا ہے کہ اگر یہاں میں اسے نقل کروں اور اس کی تشریح کروں تو ہو سکتا ہے کہ "توہینِ اہلبیتؑ" کا قانون حرکت میں آجائے، علاّمہ صاحب نے اس مضمون کی شدید مذمّت اور مخالفت کی ہے۔ یہی بات علاّمہ صاحب سے دشمنی کا سبب بن گئی۔ (ابھی اطلاع ملی ہے کہ ان صاحب کے علاّمہ صاحب سے تمام اختلافات ختم ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے قرآن میں کہا ہے کہ کسی کی دشمنی میں عدل سے نہ ہٹ جاؤ تاکہ اگر کبھی اس کے سامنے پیش بھی ہو تو اتنی شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔)

۲۔ ایک بڑے مؤلف اور مترجم کے خیال میں آپ کا لہجہ اور الفاظ ذاکرِ حسینؑ کی شان کے

منافی ہے۔

☆۔یہ اعتراض ایک ایسی شخصیت کی طرف سے اٹھایا گیا ہے جن کا تعلّق تصنیف و تالیف کے شعبے سے ہے، انھوں نے براہِ راست خطابت پر تنقید کی ہے اس لئے میں ایک کھلی ہوئی حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم علّامہ صاحب کی صرف پچھلے ایک سال کے دوران کی تمام تقریروں میں صرف "امام حسینؑ اور کربلا" سے متعلق کیے گئے الفاظ اور جملوں کو ہی جمع کرلیں تو ایک شاہکار کتاب مرتّب ہو جائیگی جس کی نظیر پورے اردو ادب میں نہیں مل سکے گی اور جو زبان فہمی کے لئے سند کی حیثیت رکھتی ہو گی۔

آج کے دور میں جبکہ ذرائع ابلاغ سے منبر تک ہر مقام پر انگریزی الفاظ اور لہجے کے ذریعہ ہماری زبان کو بگاڑا جا رہا ہے، یہ علّامہ صاحب کی خطابت کا کمال ہے جس نے الفاظ کے درست تلفّظ، لہجہ کے صحیح اتار چڑھاؤ اور جملوں اور محاوروں کے برمحل استعمال کے ذریعہ اردو زبان کو بگڑنے سے بچا رکھا ہے۔ اگر ہمیں نئی نسل کو صحیح زبان سکھانا ہے اور ان کا لب و لہجہ درست کرنا ہے تو اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ علّامہ صاحب کی تقاریر سنوانی چاہئیں۔

۳۔ایک بہت بڑے اور متحرک عزادار اور عزاداری کی ایک بڑی مرکزی ایسوسی ایشن کے رکن، جو کہ علّامہ صاحب کے بڑے حامی ہیں اور ان سے بڑے بے تکلّف ہیں، ان کے خیال میں ضمیر بھائی کی خطابت گلاب کے پھول کی طرح ہے مگر تقریر کا وہ حصّہ جس میں آپ کبھی کبھی سامعین پر تنقید کرتے ہیں گلاب کے کانٹوں کی مانند ہے۔

☆۔اس سلسلے میں وہ پاکستان کے ابتدائی دور کے سب سے بڑے خطیب کی مثال دیتے ہیں کہ اُن کے منبر کے قریب بڑے بڑے شاعر، ادیب عالم اور دانشور بیٹھے ہوتے تھے۔ اگر دورانِ تقریر کوئی ناموزوں لفظ یا جملہ ادا ہو جاتا تھا تو وہ ان حضرات کے چہروں سے اندازہ کر لیا کرتے تھے اور آئندہ زیادہ محتاط ہو جاتے تھے۔ میں اپنے دوست کی رائے پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ علّامہ ضمیر اختر نقوی صاحب منبر کی نزاکتوں اور ذمہ داریوں کا پورا خیال ضرور رکھتے ہیں مگر کھری بات کہنے میں کبھی بھی مصلحت سے کام نہیں لیتے ہیں۔ ان کی خطابت کا محور ہے "مادرِ حسینؑ کی رضا" یہ ایسا راز ہے جو صرف محسوس کیا جا

سکتا ہے۔الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ ۱۹۹۷ء میں امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ میں خمسۂ مجالس میں ایک بینر لگایا گیا تھا جو کہ علاّمہ صاحب کے لاہور کے عشرۂ مجالس کا تھا اور پہلی مجلس میں ماجد رضا عابدی صاحب نے لاہور کے ایک انگریزی اخبار سے اقتباسات پڑھ کر سنائے جو کہ علاّمہ صاحب کی تعریف میں تھے۔ یہ باتیں کراچی کی ایک بہت بڑی ماتمی انجمن کے ایک بڑے عہدیدار کی نظر میں خودنمائی اور خودستائی کی خواہش تھی، جس کی ایک عالم سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

(اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخالفین تنقید کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں)

☆۔ یہ اعتراض بہت پست ذہنیت کا مظہر ہے اور اس قابل نہیں ہے کہ اسے بیان کیا جائے، مگر ریکارڈ درست رکھنے کے لئے اس کا جواب ضروری ہے۔

علاّمہ صاحب نے "عزاداری اور اقوامِ عالم" کے عنوان سے لاہور میں عشرۂ مجالس سے خطاب کیا۔ اس کے فوراً بعد یہاں کراچی میں خمسۂ مجالس اسی عنوان کے تحت پڑھا کیونکہ انتظامات کے لئے وقت بہت ہی کم تھا اس لئے سامعین کی سہولت اور اعلان کے لئے یہ بینر لگایا گیا۔ ان مجالس کے لئے نہ تو اخبارات میں اشتہارات دیئے گئے نہ ہی شہر میں کسی اور جگہ بڑے بینر یا پوسٹر لگائے گئے۔ یہ بڑی تاریخی مجالس تھیں۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ میں اپنی زندگی کی سب سے رقت آمیز مجلس کے تحت کرچکا ہوں۔ یہ خمسۂ مجالس دوسروں کے کئی عشروں پر بھاری تھیں۔ مخالفین کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی اس لئے عقل کے بیماروں نے صرف ایک بینر لگانے پر اعتراض جڑ دیا۔ یہاں ایک بات اعتراض کرنے والوں پر واضح کردینا چاہتا ہوں۔ آج کا دور ٹی وی، انٹرنیٹ اور سیٹلائیٹ کیبل کا دور ہے۔ اگر علاّمہ صاحب کو شہرت کی خواہش ہوتی تو وہ ان ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے۔ حقیقت یہ ہے آپ کی خطابت ذرائع ابلاغ کی محتاج نہیں ہے، آپ مجالس کے منتظمین پر یہ شرط بھی عائد نہیں کرتے ہیں کہ ان کی مجالس کے اشتہارات اخبارات میں دیئے جائیں یا بڑے بڑے بینر اور پوسٹر لگائے جائیں۔

۵۔ ایک مجتہد کے خیال میں علاّمہ صاحب کا تاریخ کا مطالعہ تو بہت اچھا ہے مگر ان کے بعض

عقائد سے اختلاف ہے۔

☆ یہ باتیں مجھ سے ایک مذہبی لائبریری کے ذمہ دار شخص نے کہیں۔ ان صاحب کا تعلق ان افراد سے ہے جو "فروعِ دین" کو غمِ حسینؑ پر فوقیت دیتے ہیں، اور ان کی نظر میں عزاداری محض ایک "مستحب عمل" ہے کیونکہ ہمارا موضوعِ گفتگو خطابت ہے اس لئے ہم عقائد کی بحث میں الجھنا نہیں چاہتے اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔

۶۔ ایک بزرگ عزادار جن کی عمر تقریباً ۹۰ سال ہے اور جن کی ساری زندگی غمِ حسینؑ مناتے گذری ہے ان کے خیال میں علّامہ ضمیر اختر نقوی صاحب سے بڑا خطیب اور عالم کوئی اور نہیں ہے۔ لیکن بعض مرتبہ آپ منبر سے اپنی تعریف کرنے لگتے ہیں اور بعض مرتبہ سامعین پر غصّہ کرنے لگتے ہیں یہ باتیں اتنے بلند پایہ عالم کی زبان سے جچتی نہیں ہیں۔

☆۔ ہم اپنے قابلِ احترام بزرگ کی خدمت میں یہ گذارش کریں گے، عالم یا ذاکر بلند منبر پر ہوتا ہے۔ وہ قریب بیٹھے ہوئے سامعین کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے اور دور کھڑے ہوئے لوگ بھی اس کی نظر میں ہوتے ہیں۔ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ سایہ میں بیٹھنے والوں کی کیفیت کیا ہے اور دھوپ میں کھڑے ہونیوالوں کی کیا حالت ہے۔ اگر ذاکر دھوپ میں جلنے والوں کے لئے (انھیں گرمی سے بچانے کی خاطر) چند کلمات کہتا ہے تو چھاؤں میں بیٹھنے والوں کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

اختتامی کلمات

آخر میں اتنا کہوں گا کہ علّامہ صاحب کی خطابت عزاداروں کے لئے ایک عطیہ ہے، یہ ہمارے گرد مودّت کا ایسا حصار ہے جو ہمیں صراطِ مستقیم سے ہٹنے نہیں دیتا ہے۔ یزیدیت لاکھ کوشش کرے وہ اس حصار سے ٹکرا کر اپنا سر تو پھوڑ سکتی ہے مگر اسے توڑ نہیں سکتی ہے۔
میرا دعویٰ ہے کہ اگر کوئی آپ کا ایک عشرہ سن لے تو یہی کہے گا کہ خطیبِ اعظم، ادیبِ اعظم، محققِ اعظم علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب ہیں۔

APPRECIATION

From: Zaki Abidi
(F.B.AREA)
Karachi

AL-HAJ ALLAMA DR. SYED ZAMIR AKHTER NAQVI

Momineen, Mominat & others,
As-Salam-o-Alaikum

I have to speak a few words in favour of Al-Haj Dr. Syed Zamir Akhter Naqvi in connection with the Majlis-e-Tafseer-e-Quran, which is continuing since last one month in the month of "Holy Ramazan" at Chahardah Masoomeen Imam Bargah, Ancholi, Allama Saheb is highly qualified and no other person can match his respect actually, neither there is any example like Allama Saheb in entire Indo -Pak.
This is my challenge to entire Asia that you people can't produce such as Allama Dr. Syed Zamir Akhter Naqvi then I should follow your representative. I have not seen such respectable and responsible Adeeb, Scholar, Philosopher, Hafiz-e-Tawareekh of Islamia and Zakir-e-Masoomeen (A.S). He belongs to a very respectable Alim Family of Rai Baraily, UP (India).
Since last 25 years I am attending and following him and what ever I realized from his Majlis-e-Aza or in the shape of "Ashra" which held in different places of Karachi city, I shall request my entire community that by the grace of Almighty Allah you people have got a noble personality, very valuable asset in the shape of Allama Saheb who is very much polite with their elders and youngers also. I always pray to god for his long life and high ever prosperity as well as Janab Syed Majid Raza Abidi (Phd.), Alama Syed Kamal Haider Rizvi Saheb and Janab Qaim Saheb also. Once again I should request you people that please keep in your mind that you can't get such a qualified teacher, religious scholar like Allama Dr. Syed Zamir Akhter Naqvi in entire Asia.

سید مبارک حسین رضوی (انچولی سوسائٹی، کراچی)

پیکرِ محبت

آج کافی سوچ بچار کے بعد قلم کا سہارا لے رہا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کہاں سے لکھنا شروع کروں کس انداز سے موضوع لکھوں جس ہستی کے بارے میں تحریر لکھ رہا ہوں اُنکے مطابق دنیا جو کچھ بھی کہے میرے لئے علاّمہ ضمیر اختر نقوی واجبُ الاحترام، زبانِ شیریں سخن، لہجے میں شائستگی، محبت کا وہ عالم کہ بیان سے باہر ہے، ہو سکتا ہے کہ جناب ہندوستان سے ہی خطاب فرماتے ہوں مگر میں نے جب پہلی مرتبہ حضور کی زیارت کی تو میں آپ کو یقین دلا دوں کہ چہرہ ایسا جگمگا رہا تھا جیسے نور پھوٹ رہا ہو۔ قبلہ نے سیاہ رنگ کی اچکن زیبِ تن کی ہوئی تھی، مگر اچکن کے نصف سے زیادہ بٹن کھولے ہوئے تھے، آستینیں اوپر کی جانب تھیں مجھے انجمنِ غم خوارانِ عباسؑ کے صاحبِ بیاض ضیا رضوی نے کہا، مبارک بھائی یہ جو صاحب دفتر کے سامنے تشریف فرما ہیں ان سے آپ کا تعارف ہے؟ میں نے کہا بالکل نہیں یہ غالباً ۱۹۶۸ء کی بات ہے، میں اس وقت رضویہ کالونی میں مجلس وغیرہ پڑھا کرتا تھا، اور بڑی دھوم تھی کیونکہ جس جگہ بھی انجمن نوحہ خوانی کرتی مجھے وہاں لازمی مجلس پڑھنی ہوتی، مجھے ضیا رضوی نے کہا کہ آپ سے بہت بہتر مجلس پڑھتے ہیں، ان کا نام جناب ضمیر اختر ہے، ہندوستان کے رہنے والے ہیں، اُس وقت میں نے علاّمہ ضمیر صاحب کی کوئی مجلس نہیں سنی تھی کیونکہ کربلائے معلی زیارت کر کے جب واپس آیا ہوں تب مجھے مولانا کے متعلق بتایا گیا۔ بہرحال میں دُور سے ضمیر صاحب کو دیکھ رہا تھا، دل چاہا کہ بڑھ کر ہاتھ ملالوں مگر پھر آگے نہ آیا مگر ضیا رضوی کے بڑے بھائی محمد صاحب نے کہا حرج کیا ہے، آگے بڑھ کر ہاتھ ملا لیں مگر میرے اندر احساسِ کمتری پیدا ہو گیا تھا اور کچھ جیلیسی (Jealousy) بھی تھی کہ یہ کہاں سے آ گئے مگر اسکے باوجود ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھا تو مولانا موصوف نے اپنا

ہاتھ پیچھے کی طرف کرلیا اور کہا کہ تم کو نہیں معلوم کہ آج محرم کا چاند نظر آگیا ہے، غم کا مہینہ شروع ہو گیا ہے، حسینؑ ابن علیؑ اپنے بھرے گھر کے ساتھ وارِدِ کربلا ہوئے ہیں اور تم ہاتھ ملاتے ہو۔ اُن سے یہ میری پہلی ملاقات تھی اس وقت جناب ضمیر صاحب میرے نام سے واقف نہ تھے، مگر ہو سکتا ہے کہ ان کو معلوم ہو کہ میں بھی کچھ پڑھ لیتا ہوں، جناب ضمیر اختر نقوی صاحب نے جب پہلی مرتبہ مجلس پڑھی یا یوں کہوں کہ میں نے پہلی مرتبہ انجمنِ غمخوارانِ عباسؑ کی شب بیداری میں قبلہ کو سُنا تو بس سنتا ہی رہ گیا، اگر میرا حافظہ ساتھ دے رہا ہے تو مجھے یاد ہے کہ اس مجلس میں علاّمہ صاحب نے ایک موضوع رکھا تھا کہ "اسلام بہ زورِ شمشیر نہیں پھیلا" میرا خیال ہے کہ یہی عنوان تھا اُس زمانے میں پورے ملک میں اگر کوئی عنوان رکھ کر مجلس پڑھتا تھا تو وہ قبلہ علاّمہ رشید ترابی (مرحوم) اعلیٰ اللہ مقامہٗ تھے یا علاّمہ ضمیر اختر نقوی مدظلہٗ العالی تھے۔ تو ضمیر صاحب کو جب میں نے سُنا تو بس سنتا ہی رہ گیا اور اس مجلس کو سننے کے بعد میں نے مجلس پڑھنا چھوڑ دیں جسکا مجھے بے حد افسوس ہوا مگر اب میں چار سال سے دوبارہ مجلسیں پڑھ رہا ہوں، اور مجھے یہ ہمّت بھی علاّمہ صاحب نے دلائی کہ پڑھو، جو کچھ ہم سے ہو سکے گا ہم کریں گے۔ فنِ خطابت بھی ہر کسی کے بس کا کھیل نہیں ہے، اور فنِ خطابت بھی وہ جو کہ ان کو ان کی والدہ مرحومہ سے ملا ہے، جو خود بھی ایک ذاکرہ تھیں اور مرحومہ کا اپنا ایک مقام تھا، اپنی دادی مرحومہ سے اکثر ذاکرہ محسنہ بیگم کا نام سنا کرتا تو میں اُن سے کہا کرتا تھا اماں یہ کوئی بہت مشہور ذاکرہ ہیں تو دادی مرحومہ کہتی تھیں ایسی ہیں جیسے یہاں رشید ترابی، اماں بہت کچھ اُنکے متعلق فرمایا کرتی تھیں، میں آپ سے دونوں خواتین کے لئے سورۂ فاتحہ کی درخواست کرونگا۔

جناب ضمیر اختر صاحب جب زیبِ منبر ہوتے ہیں تو جو جملہ پہلے زبان مبارک سے ادا ہوتا ہے وہ قرآن کریم کے سورۂ بسم اللہ سے ہوتا ہے، جس کے بغیر کوئی مسلمان اپنا کام نہیں کرتا اور پھر دھیمے دھیمے اپنی مجلس کا آغاز کرتے ہیں، منبر پر آتے ہی ایک نظر میں سامعین کو پرکھ لیتے ہیں کہ اس وقت میرے سننے والے مجھ سے کیا چاہتے ہیں اور پھر اس انداز سے مجلس شروع ہوتی ہے، کبھی بھی اپنے عنوان کو دوبارہ نہیں پڑھا، کوئی مومن یہ نہیں کہہ سکتا کہ آج کی مجلس قبلہ ضمیر صاحب نے فلاں مقام پر پڑھی یا ہم نے فلاں عالم سے اس مجلس کو

سنا ہرگز نہیں قطعاً نہیں ہاں اگر دورانِ گفتگو کوئی جملہ ادا ہوتا ہے، کسی پرانے ذاکر کے حوالے سے تو علاّمہ ضمیر صاحب نہایت ادب و احترام سے اُس ذاکر کا ذکر کرتے ہیں پھر بتاتے ہیں فلاں مقام پر فلاں عالمِ دین نے اس طرح فرمایا اور آج میں اس جملے کو آپ معزز سامعین کے سامنے بیان کر رہا ہوں، علاّمہ صاحب کی مجلس کی خاص بات یہ ہے کہ آپ کے تمام سامعین جو بڑے شوق سے آپ کو سنتے ہیں اُن میں بزرگوں کے علاوہ نوجوان طبقہ زیادہ ہوتا ہے۔

کسی بھی موضوع پر آپ اُن سے نہایت ہی دوستانہ ماحول میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ مگر بہت سوچ سمجھ کر کیونکہ غلط بیانی سے علاّمہ صاحب کو سخت نفرت ہے، کیونکہ علاّمہ صاحب نہ کسی سے غلط بات کرتے ہیں اور نہ سننے کے روادار ہیں، سچ بولنا انکا مذہب ہے، میں آپ پر واضح کر دوں کہ میری علاّمہ صاحب سے کوئی بہت زیادہ ملاقاتیں نہیں ہیں وہ بھی رضویہ میں رہتے تھے میں بھی رضویہ میں رہا کرتا تھا، مگر نہ علاّمہ صاحب میرے گھر آئے اور نہ ہی میں کبھی آپ کے دولت کدہ پر گیا جب آپ انچولی بلاک ۲۰ میں آئے تو میں اُن سے پہلے یہاں موجود تھا۔ تین سال پہلے جناب ضمیر اختر صاحب سے میری پھر ملاقات امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ میں ہوئی میں نے خود گفتگو کا آغاز کیا کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں کہ نہیں تو بڑے اطمینان سے کہا تم مبارک ہو، ہم کسی کو بھولتے نہیں ہیں، میں نے اُن سے جب گفتگو کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ان میں ایک خاص بات ہے وہ یہ کہ کسی کو بھی شرمندہ ہونے نہیں دیتے، جس کے پاس جتنی بھی قابلیت ہے، اُسی کی قابلیت کے حساب سے بات کا آغاز و انجام کرتے ہیں اور یہ بات میں نے صرف ضمیر صاحب میں دیکھی ہے کبھی اپنا بڑا پن نہیں بتایا، تکبر نہیں کیا، اور بڑی احتیاط برتتے ہیں، کہ کہیں کسی کی شان میں گستاخی نہ ہو جائے، اس وقت میرے گھر کے تمام افراد محوِ خواب ہیں گھڑی پونے دو بجا رہی ہے مگر قلم ہے کہ ٹھہرتا ہی نہیں ہے۔ کیا لکھوں جی بھی نہیں چاہتا کہ میں اپنے موضوع کو ختم کر دوں اگر زیادہ لکھوں گا تو میری جیلیسی (Jealousy) یہ کہے گی بس بہت ہو گئی ضمیر اختر صاحب کی تعریف، ارے میں کیسے بتا دوں کہ علاّمہ صاحب بڑے مضبوط دل کے مالک ہیں، نہ تو ان پر کسی تعریف کا کوئی اثر ہوتا ہے، اور اگر خدا نہ کرے کوئی ان کی غیبت کرے اس کا بھی ان پر اثر

نہیں ہوتا۔ میں تو صرف لکھ کر اپنے آپ کو خوش کر رہا ہوں، تعریف کرنا علاّمہ صاحب کی کمزوری نہیں ہے، اور ایک بات اور بتادوں کہ خوشبو تعارف کی محتاج نہیں ہوتی، میرے ہر دلعزیز برادر علاّمہ ضمیر اختر صاحب اس صدی کی وہ خوشبو ہیں کہ اس خوشبو کو کوئی چرا بھی نہیں سکتا نہ ہی اس کی نقل کر سکتا ہے، علاّمہ صاحب کی تقریروں کا یہی اثر ہے کہ آج دل خود بہ خود چاہا کہ اپنے عزیز برادرم علاّمہ ضمیر اختر صاحب کی شان کی مناسبت سے کچھ تحریر کروں میں وہ سب کچھ تو نہ لکھ سکوں گا جو کہ علاّمہ صاحب کی شان میں ہے مگر جو بھی تحریر کر رہا ہوں یقین جانیے سچے دل اور دل کی گہرائی سے تحریر کر رہا ہوں، میں کبھی کبھی علاّمہ کے گھر جاتا ہوں بے وقت جاؤں یا وقت لے کر جاؤں میں نے کبھی بھی قبلہ کے چہرے پر یہ محسوس نہیں کیا کہ اس وقت میرا آنا ان کو ناگوار گذر رہا ہے۔

قبلہ ضمیر اختر صاحب کی مجلس سننے والے تمام مومنین اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اگر دورانِ مجلس ان سے کوئی سوال کر لیا جائے تو آپ کبھی بھی یہ نہیں کہتے کہ اس کا جواب کل دونگا، ہر گز نہیں بلکہ بالکل اطمینان کے ساتھ دورانِ مجلس ہی اس مومن کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ مجلس کا عنوان اپنی جگہ برقرار رہتا ہے، اور سامعین بھی مطمئن ہو جاتے ہیں، کسی بھی موضوع کی آپ ان سے فرمائش کر دیں اسی وقت مجلس کے دوران ہی وہ موضوع بھی مجلس میں شامل ہو جاتا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پچھلے رمضان میں جب آپ تفسیر قرآن پڑھ رہے تھے تو ایک دن کسی مومن نے کہا جو کہ اسلام آباد سے خاص طور پر تشریف لائے تھے تفسیر قرآن سننے کے لئے، آج آپ درود شریف (یعنی صلوٰۃ) پر مجلس پڑھ دیں میں وہ مجلس اپنی زندگی میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ جس میں تقریباً ۳۰۰ مرتبہ درود پڑھا گیا، اور سُبحان اللہ، واہ واہ اور یا علیؑ کوئی ۲۵۰ مرتبہ سامعین نے کہا اگر یقین نہ آئے تو وہ ویڈیو اٹھا کر دیکھ لیجے گا، انداز بیان اتنا خوبصورت تھا کہ سامعین اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ اٹھ کر داد دے رہے تھے، جوش کا وہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے، رمضان المبارک میں تفسیرِ قرآن کا سلسلہ علاّمہ رشید ترابی مرحوم نے شروع کیا وہ اپنے گھر (انچولی) میں یہ مجالس منعقد کرتے تھے، روزآنہ ان مجالس میں میں بھی شریک ہوتا تھا، مرحوم کے اہل خانہ بھی مجھے گھر کا ایک فرد ہی سمجھتے تھے۔ اور نہایت ہی محبت کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ علاّمہ مرحوم مجھے

تاریخ اسلام پڑھایا کرتے تھے جس میں ان کے صاحب زادے ابو طالب اور جناب سید محمد جعفری (شاعر) کے صاحب زادے محمود جعفری اور دیگر بھی شامل تھے، ان تمام لوگوں کے باوجود علامہ (مرحوم) مجھے بے انتہا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ مرحوم نے مرنے سے پہلے مجھے اپنی ایک عقیق کی انگشتری اور ایک عدد گھڑی دی دونوں چیزیں الحمدللہ میرے پاس ہیں، ۱۷ دسمبر ۱۹۷۳ء، ۲۲ ذیقعد کو جب علامہ رشید ترابی اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ملت جعفریہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ گیا، کہ اب اس خلا کو کون پورا کرے گا، بڑے ذاکر آئے اور چلے گئے مگر ذکرِ حسینؑ تا قیامت اسی طرح سے ہوتا رہے گا (انشاءاللہ) ایسے ایسے مولوی صاحبان جو کہ موسمی مولوی کہلاتے ہیں سال ۲ سال پڑھ کر پھر غائب، تفسیرِ قرآن کا جو سلسلہ علامہ (مرحوم) نے شروع کیا تھا ان کے انتقال کے بعد صرف ایک یا دو سال تک چلا پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا مگر آج کے روحِ کاروان، عظیم خطیب، شاعرِ ملت، بیانِ مصائب کے شہنشاہ، میر انیس کے مرثیوں کے بادشاہ، کراچی میں عزاداری کی بنیاد رکھنے والے، محفل کو رونق بخشنے والے، صبر و تشکر کرنے والے عظیم انسان الحاج ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی نے تفسیرِ قرآن کا آغاز ایک مرتبہ پھر شروع کیا، حالانکہ اس پروگرام کو شروع کرنے میں علامہ ضمیر صاحب کو بڑی مشکلات سے گذرنا پڑا، بڑے بڑے لوگوں نے مخالفت کی، مگر آپ نے جو بیڑا اٹھایا تھا، اس میں آپ کامیاب ہو گئے یہ پروگرام عرصہ پچیس برس سے بڑی شان سے ماہِ رمضان میں ہر سال منعقد ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ایام عزا کا آخری عشرہ جو کہ بالکل سونا ہوتا تھا اور شیعیانِ حیدرِ کرار اپنے گھروں میں مقید ہو کر رہ گئے تھے آپ نے انجمن رضائے حسینی کے ساتھ ایک عشرہ کا انعقاد کیا اور ایام عزا کی آخری شب میں ایک شاندار شب بیداری منعقد کرائی جو کہ اللہ کے فضل و کرم سے اب تک ہوتی ہے اپنی کچھ مجبوریوں کی بنا پر قبلہ اب اس مجلس سے خطاب نہیں کرتے، مگر جب سے آپ نے عشرہ نہیں پڑھا، اب یہ مجالس دو روز صرف ۶ اور ۷ ربیع الاول کو ہوتی ہیں، اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جس کی سرپرستی کی اُسے فرش سے اٹھایا عرش پر بٹھا دیا۔ یہاں سے آپ نے باحالتِ مجبوری سرپرستی چھوڑی اور آپ عشرہ پڑھنے لاہور جانے لگے۔

یہ سعادت بھی آپ کو حاصل ہے کہ تمام اماموں کی شہادت کی مجالس کا انعقاد جو آج جگہ جگہ ہوتا ہے، مسلسل، امام موسیٰ کاظمؑ (۲۵ رجب) امام علی نقیؑ، وفاتِ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ اور اسی

طرح دوسرے پروگرام جو شروع کئے سب کامیاب ہوئے، رمضان المبارک میں جناب خدیجۃ الکبریٰؑ کا یوم، امام حسنؑ کا دستر خوان، حضرت ابوطالبؑ کا یوم، شہادتِ مولا علیؑ، بڑی شان سے منعقد ہوتی ہیں، صفر کے مہینے میں امام رضاؑ کا تابوت دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جو کہ امام بارگاہ جامعۂ سبطین میں اٹھتا ہے، آپ کے مشہور عشروں میں امام باڑہ آلِ عبّا، مارٹن روڈ کی امام بارگاہ، حسینی سفارت خانہ ملیر اور مختلف مقامات، آج جہاں جہاں مجلس ہوتی ہے مختلف شہادتوں پر تو یہ علّامہ صاحب نے ہی یاد دہانی کرائی کہ آج فلاں امام کی شہادت ہے اور تمھارے یہاں TV چل رہا ہے، تو قوم کو ہوش آیا ہے، اگر اس میں اپنے ہر دل عزیز بھائی جن سے مجھے بھی بڑی محبت ہے، سچ پوچھئے تو مجھے ان کے سوز و سلام نے گرویدہ کر دیا اور ان کا شیدائی بنادیا ہے، مجھے بڑی محبت ہے اپنے بھائی ماجد رضا عابدی صاحب سے اور ہونی بھی چاہئے کیونکہ یہ میرے برادرم عزیز علّامہ کہ بہت ہی زیادہ قریب ترین ہیں، میں تو یوں کہوں گا کہ جیسے یہ دونوں جڑواں بھائی ہوں، بغیر ماجد رضا صاحب علّامہ صاحب اپنا کوئی بھی کام نہیں کرتے ہیں جب تک اُن کی مرضی نہ معلوم کرلیں، جس مجلس میں قبلہ ضمیر صاحب خطاب کریں گے وہاں ماجد رضا کی مرثیہ خوانی لازمی ہوگی، جیسے پچھلے کچھ مہینے پہلے میرے بھائی ماجد رضا زیارتوں پر گئے ہوئے تھے تو بڑی کمی محسوس ہوئی، علّامہ صاحب نے جناب ظلِّ صادق صاحب کی والدہ کی جب مجلسِ چہلم پڑھی تو ماجد رضا کی کمی کم از کم مجھے بڑی محسوس ہوئی۔ پروردگار میرے بھائی ماجد رضا عابدی کی عمر دراز کرے، قبلہ دوسرے شاگرد مولانا کمال رضوی صاحب کا انداز بیان بھی خوب ہے، علّامہ صاحب کے اپنے مخصوص سامعین جن کو علّامہ صاحب بے حد پسند کرتے ہیں، علّامہ ان تمام سامعین کا بے حد احترام کرتے ہیں، جب ان کے دولت کدہ پر جاؤ تو کبھی چہرۂ مبارک پر شکن نہیں آتی، بلکہ جیسا وقت ہوتا ہے ویسے ہی خاطر مدارات کرتے ہیں، میں دعاگو ہوں اپنے برادرم عزیز الحاج ضمیر اختر نقوی صاحب کے لئے کہ پروردگار علّامہ صاحب کی عمر دراز فرمائے اُن کا سایہ ہمیشہ قوم کے سروں پر ہو، کیوں کہ قوم کو ابھی علّامہ صاحب کی ضرورت ہے، مجھے تو اب نظر نہیں آتا کہ ہمارے پاس کوئی اچھا ذاکر ہے، اب اور کیا لکھوں مجھے آج لکھ کر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میں آج ہی بیدار ہوا ہوں، اور پھر بھی میں علّامہ صاحب کے لئے کچھ نہ لکھ سکا۔

نقی حسین امروہوی (گلزارِ ہجری)

بابِ خطابت

ہر عاقل، اور فہم و فراست کے حامل انسان کے لئے محترم علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی گرانقدر شخصیت پر تبصرہ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے مگر میرے لئے اس امر حقیقت کے باوجود کچھ نہ لکھنا میرے دل و قلم کے لئے اس سے بھی زیادہ مشکل تھا اور جب دل و قلم نہ مانا تو جناب یہ علاّمہ صاحب کی شخصیت کے زندہ معجزوں میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہی ہے کہ جذبہ عقیدت سے سرشار حروف خود بخود نوکِ قلم پر بن سنور کے آنے لگے تاکہ خاکسار بھی ان عقیدت مندوں میں شمار کیا جا سکے جو ذاکرِ کربلا جناب علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب پہ عقیدت و احترام کے پھول نچھاور کرتے رہے ہیں کہ وہ واقعی اس صدی کے لائق و فائق ذاکر کربلا پہلے ہیں اور بعد میں ہر ایک کے لئے بہت کچھ ہیں۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے ہندوستان کے مصطفےٰ آباد، ضلع رائے بریلی، یو۔پی کے ساکن ہیں۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح منور ہے کہ خوشبو اپنے تعارف کی محتاج نہیں ہوتی ہے اسی طرح علمی استعداد کا تعلق اچھی زمین، اچھا شجرہ، اچھے حالات، بہت ہی اچھے گھریلو حالاتِ زندگی، اور اچھے ماحول و عوامل سے رابطہ کے نتیجے کی صورت میں ایک اچھا انسان منظر عام پر جلوہ گر ہوتا ہے اور اس طرح بلاشک و شبہ مصطفےٰ آباد اس میدان میں ایک منفرد روزگار ہستی کی بے مثال شخصیت کا مظہر جناب علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی صورت میں لانے پر قابلِ فخر و قابلِ ستائش ہے، جناب علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے دادا حضور جناب محترم دیانت حسین صاحب کی روح بھی عالم ارواح پر اپنے آپ کو قابلِ فخر محسوس کر رہی ہوگی کہ ان کا پوتا دامنِ اہلِ بیتؑ کی پوری گرفت میں ہے۔

میں نے علاّمہ صاحب کے والدِ ماجد جناب ظہیر حسن صاحب کو تمام مجلسوں میں بلاناغہ

موجود پایا اور مجلس سننے کا انداز مولانا کی تعریف، جب وہ فنِ خطابت کی بلندیوں پر فائز ہوتے تھے تو وہ مسکرا کر داد دیتے تھے۔ اور ان کے اندر کی کیفیت کا چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ واقعی بہت جوش، جذبۂ پدری سے خوشی سے سرشار ہیں اور مصائب میں بھی اسی طرح گریہ کرتے تھے کہ خاتونِ جنّت بھی ان پر فخر کرتی ہونگی کہ میرے لال کے رونے والے ایسے ہوتے ہیں۔

علاّمہ صاحب کے بڑے بھائی جناب محسن اختر صاحب کی شخصیت کا الگ رنگ ہے کہ امریکہ میں رہتے ہوئے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ گئے نہیں۔ گفتگو ایسی کہ سننے والا محسوس کرنے پر مجبور ہو جائے کہ جیسے پرسکون علم کا سمندر ہے اور دوسری طرف علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب ذاکری کے سمندر، رعب دبدبہ میں میر انیسؔ بنے ہوئے ہیں۔ نہ میر انیسؔ کا کوئی ثانی نہ علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کا کوئی ہم پلّہ۔ اگر میر انیسؔ کو فنِ شاعری پر کمال عروج حاصل تھا تو ادھر فنِ خطابت میں عروج ہی عروج ہے۔ صحت کے معاملہ میں نہ انیسؔ فربہ تھے اور نہ علاّمہ صاحب فربہ اور جو علم کے معاملے میں تولو تو دونوں اپنی اپنی جگہ فربہ نظر آتے ہیں، کمزوری کا دور دور پتہ نہیں، نہ میر انیسؔ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کمال تھا کہ اتنی سی مختصر شخصیت میں اتنا سخن بھرا ہوا تھا اور بالکل ویسے ہی علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنے مختصر قدو قامت میں اتنا علم و حافظہ، مگر یہ سب قدرت کے معجزے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ پورے جسم میں آنکھ کتنی مختصر ہے اور اس کے اندر ایک پتلی ہے جو ایک نقطہ ہی ہے اور یہ وہی نقطہ زمین و آسمان کو دیکھنے کی کتنی صلاحیت و وسعت رکھتا ہے اسی طرح علاّمہ ضمیر اختر نقوی علم کی آنکھ ہیں جو سب کچھ دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور فیصلہ کرتی ہے کہ کیا کہنا ہے، کتنا کہنا ہے، کیا بولنا ہے، کیا بتانا ہے۔ وہ اور لوگ ہونگے جو سامع کی مرضی پر چلتے ہونگے سامع کی مرضی سے بولتے ہونگے۔ مگر نہیں علاّمہ صاحب کو صحیح سامع ملتے ہیں سامع ان کو جانتے ہیں وہ سامع کو جانتے ہیں، تمام مجلس کی آرائش علاّمہ صاحب کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، وہ اپنی عقل و فہم کی آنکھ کھلی اور حافظہ کو حاضر رکھتے ہیں ان کا اپنا الگ مزاجِ مجلس ہے، وہ یہ فیصلہ اپنے علم کی روشنی سے حاصل کرتے ہیں اور سامع و حاضرینِ مجلس کو اپنی مرضی سے آگے لے کر چلتے ہیں تاکہ

علامہ صاحب کی رہنمائی میں دنیا میں آنے اور آلِ محمدؐ کو جاننے سے زندگی کا مقصد حاصل ہو جائے اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ کم سے کم وقت میں سامع کو سب کچھ بتادیا جائے جن باتوں اور واقعوں سے وہ انجان یا نابلد ہے، اس لئے اس کو اپنی مرضی سے لے کر چلتے ہیں کیونکہ ایک عالم یا استاد علم وہنر بہتر جانتا ہے کہ علم کو کون سے طریقہ سے اپنے سامع کے Comput-er میں کیسے Feed کرتا ہے اگر سامع کی مرضی سے کیا تو سامع تو انجان ہے تو غلط بھی ہو سکتا ہے اور پھر غلط تو پھر ہمیشہ کے لئے غلط ہو جاتا ہے اور وہ وہیں کا وہیں رہتا ہے اس لئے علامہ صاحب اپنے طریقے سے تمام فکری مجلسیں اس طرح سے Feed اور ذہن میں Record کراتے ہیں کہ وہ بالکل صحیح سمجھے جاتا ہے اور خوشی سے جھوم اٹھتا ہے کہ جس بات کو وہ کچھ سمجھ رہا تھا وہ نکلی کچھ اور۔

علامہ صاحب کی ایک ایک بات اپنے اندر علم کا سمندر لئے ہوئے ہے اگر ایک ایک مجلس کو الگ الگ Classify کیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ علامہ صاحب ایک وقت میں کیا سے کیا ہیں وہ ذاکر ہیں، تاریخ داں ہیں۔ جغرافیہ داں ہیں، ماہرِ نجوم ہیں، شجرہ داں ہیں، انیسؔ داں ہیں، علم وادب کے قدر داں ہیں، یہ سب خوبیاں ایک بہت ہی مختصر سی شخصیت میں ایسے مستور ہیں جیسے آہو کے ناف میں مُشک۔

مُشک کا جس حصہّ میں قیام ہوتا اس حصےّ کے آس پاس کا حصہّ بھی حاملِ مُشک ہوتا ہے اسی طرح علامہ صاحب کے جو لوگ انتہائی قریب ہیں وہ اس مُشکِ علم و ہُنر سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ جناب محترم علامہ ضمیر اختر صاحب ممکن ہے کہ کئی انگوٹھیاں پہنتے ہوں مگر ان تمام انگوٹھیوں میں سے ایک انگوٹھی ان کو نہایت پسند بھی ہوگی اور وہ ان کو عقیدت کے معیار پر راس بھی آتی ہوگی اس طرح کی ایک باکمال ہستی علامہ صاحب کے پاس کمالؔ ہی کے نام سے موجود ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ علامہ صاحب کے پاس جو علم کی انگوٹھی محفوظ رکھی ہے وہ کمالؔ ہی کی دوسری شکل ہے جو کہ ان کو بہت ہی عزیز ہے دراصل کمال صاحب میں اتنا وصف، علم، جذبہ، حوصلہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے علامہ صاحب کسی اور جگہ مصروف ہیں تو یہ بخوبی علامہ صاحب کے منبر پر علامہ صاحب کے ہونہار شاگرد کے فرائض بہ حسن وخوبی سر انجام دینے لگتے ہیں، دراصل یہ علامہ صاحب کی ہی نعم البدل شخصیت ہے، جناب ظلّ

صادق صاحب ذاکر و شاعر اہلبیتؑ ہیں، اچھی آواز، علم و ہنر کے حامل ہیں، جناب ماجد صاحب اپنی گوں ناگوں خوبیوں سے علامہ صاحب کی طرح لبریز ہیں بہترین مرثیہ خواں ہیں و شاعر آلِ محمدؐ ہیں اور پُر سوز آواز کی وجہ سے منفرد مقام رکھتے ہیں ان کا مرثیہ ہی مجلس کی زینت اوّلین ہوتا ہے اور مجلس ایسی سجتی ہے جیسے چاندنی رات میں چودھویں کا چاند اپنی آب و تاب دکھاتا ہے۔ جناب قائم رضا صاحب اہلبیتؑ کو رونے والوں میں اوّل، علامہ صاحب کی قدر دانی میں اوّل، عزت افزائی میں اوّل، عقیدت میں اوّل، خاکساری میں اوّل انتظامِ مجلس میں اوّل، علامہ صاحب سے انتہائی قربت رکھنے میں سب سے اوّل کتنی ہی ذمہ داری آجائے بیک وقت سب پوری کرنے کی صلاحیت سے بھرپور جذبہ ہمہ وقت تیار رکھتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ علامہ بھی ان کو قریب تر رکھتے ہیں، ہمارے بھائی پُتّن صاحب کی شخصیت ان سب سے الگ ہے۔ یہ علامہ صاحب کے حلقہ بگوشوں میں نووارد ہیں مگر نوادرات میں شمار کئے جاتے ہیں، کہ علامہ سے اتنی عقیدت اور محبت و خلوص اس طرح سے برابر رکھتے ہیں (حالانکہ گستاخی ہے) جیسے کہ علامہ صاحب بھائی پُتّن سے رکھتے ہیں۔

علامہ صاحب کی شخصیت ایک جوہری کی ہے کہ کھوٹا آدمی ان کی محفل کی زینت تو کیا جگہ بھی نہیں پاسکتا ہے۔ ادھر بھائی پُتّن کا یہ حال ہے کہ کسی بھی محفل میں جب تک علامہ صاحب کا تذکرہ نہ ہو ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ ہر مجلس کو سننے کے بعد اس کو وہ اپنے حلقہ بگوشوں کے گوش میں ڈال دیتے ہیں۔ اس بات کا Credit بھی بلا شرکتِ غیرے علامہ صاحب کو ہی جاتا ہے۔

علامہ صاحب کی تمام مجلسوں کے حصے بیان کرنا یا حدیثیں بیان کرنا یا مثالیں بیان کرنے کے لئے دفتر کے دفتر مطلوب ہوں گے اور بات ختم نہیں ہوگی۔ ہر بات، خواہ کتنی ہی مشکل یا پیچیدہ ہو اس کو عام فہم الفاظ میں بڑی سادگی اور بھولپن سے بیان کرنا ان ہی کا طور طریقہ ہے جس کا کوئی بدل نہیں ابھی حال ہی میں ایک مجلس میں اس بات کا جواب بڑی سادگی سے دے کر آگے بڑھ گئے کہ کچھ لوگ شیعہ حضرات کو کافر کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں علامہ صاحب نے کہا کہ بھئی تم لوگ ہم کو کافر کہتے ہو چہ خوب ہم تم کو کافر بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم نے ہی تو تم لوگوں کو کافر سے مسلمان بنایا ہے۔ اس بات میں کتنا وزن ہے اس کو ایک

صاحبِ علم ہی سمجھ سکتا ہے اور عام فہم علم رکھنے والا بھی۔ میری تو اللہ تعالیٰ سے بہ فیضِ پنجتنؑ یہ دعا ہے کہ غمِ حسینؑ کے سوا مجھے کوئی غم نہ دینا اور دل از حد مشکور ہے جناب ظہیر حسن صاحب کا کہ ان کے فرزند ارجمند جناب علاّمہ ضمیر اختر صاحب نے غمِ حسینؑ کے حوالے سے ہم سب کو متحد کئے رکھا ہے اللہ تعالیٰ علاّمہ صاحب کی عمر دراز کرے اور ان کو صحت عطا فرمائے۔ آمین۔

سیّد مصطفیٰ حسین نقوی البخاری (مصطفیٰ زیدی)

"پیکرِ علم و عقل"

دنیا کا ہر واقعہ اور ہر حادثہ اہلِ بصیرت کے لئے کوئی نہ کوئی پیغام ضرور چھوڑ جاتا ہے اور اس پیغام کو اس کی کیفیات، اور واقعیت کے ساتھ یاد رکھنا، اس کو ضبطِ تحریر میں لانا تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے فیوض اور برکات کا سلسلہ چھوڑ دیا جائے ایسی ذہین اور صاحبِ ذکاوت شخصیت تاریخِ ادب و مذہب میں میری نظر میں سوائے علاّمہ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی مدّظلہٗ العالی اور کوئی نہیں عام طور پر ہر واقعہ کسی نہ کسی عنوان سے ذاکر ضرور یاد رکھتا ہے اور ذاکر ظالم و مظلوم کو تاریخ کے آئینے میں بزبانِ مورّخ دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اس اصول کی روشنی میں اگر علاّمہ ضمیر اختر نقوی کو جانچا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تمام ہندو پاک کی تاریخ بھی ایسا ذاکر نہیں دکھا سکتی۔ ویسے تو برس ہا برس سے صاحبانِ ہمت و جرأت ظلم اور جاہلیت کی تصویر کی نقاب کشائی میں لگے ہوئے ہیں مگر اللہ رے ضمیر اختر نقوی صاحب کی جرأت کہ چند برسوں میں وہ کام کر کے دکھایا کہ شاید پورے پورے بورڈ اور محکمے برسوں میں اتنا کام نہ کر سکیں۔ زیادہ نہیں چند برسوں میں علاّمہ ضمیر اختر نقوی نے وہ کام کر کے دکھا دیا کہ اپنے شب و روز کی محنت و مشقّت اور تحقیق سے تاریخِ خطابت و ادب میں ایسا گہرا رنگ بھر دیا کہ ہر متنفّس کوسوں دور سے ذکر اور ذاکری کی صدیوں کی منزلوں کو اصل صورت میں خود دیکھ لیتا ہے اور وہ فقط اس لئے کہ علاّمہ ضمیر اختر نقوی کو اپنے پڑھنے لکھنے کے کام سے محبّت نہیں بلکہ عشق ہے اور اس عشق کا کیا کہنا کہ۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

الفاظ دل کی زبان سے نکلے آخر انقلاب آیا اور سب کا تختہ الٹ گیا انھوں نے قوّتِ قلم

سے ایسی کتابیں لکھیں جس میں حق اس طرح لکھ دیا جائے کہ مٹائے نہ مٹے۔ قرآن کی آیت ہے :۔ "جو شخص ایک ذرّہ برابر نیکی کرے گا اس کی جزا ملے گی اور جو ایک ذرّہ برابر بدی کرے گا سزا بھُگتے گا۔"

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ تاریخ اسلام کے اس سب سے عظیم محقق، اسکالر، مصنف، ادیب اور ذاکرِ بے بدل کو جو ہر پہلو سے ہمارے لئے استاد کی حیثیت رکھتے ہیں، رطب و یابس کو چھانٹ کر اپنا دستور العمل بنالیں کہ علاّمہ ضمیر اختر نقوی کو سطحی نظر سے نہ دیکھیں بلکہ ان کی فکر کے اسباب و علل کے فلسفے کو سمجھنے کے لئے ان کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں، ہر پہلو پر نظر ڈالیں اور ہمارے محققِ اعظم علاّمہ صاحب کی کامیابی و کامرانی کا روحِ رواں صرف ان کا حُسنِ عمل ہے اور یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں کیونکہ اُن کا رات و دن ہر وقت کتابوں میں ہی گذرتا ہے افسوس ہے کہ اس زمانے میں خالص مذہبی افکار و خیال روز بروز دھندلے ہوتے جارہے ہیں۔ دنیا خدا پرستی کی طرف جھکی جارہی ہے۔ بد تہذیبی، بد اخلاقی روز بروز روبہ ترقی ہے اور تمام شہادتوں کی سر تاج شہادت یعنی واقعۂ کربلا کے سارے واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر مختلف و متضاد بیان کئے جاتے ہیں اور ان میں رطب و یابس کا اس قدر ہجوم نظر آتا ہے اور آدمی نہیں سمجھ سکتا کہ کس عالم کے قول کو کس عالم کے قول پر ترجیح دے اور کون سے مورّخ کو کاذب اور کون سے کو صادق سمجھے اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ ان تمام مختلف بیانات و واقعات کی تصحیح اور روایات و موضوعات کی تنقید کوئی آسان کام نہیں۔ یہ ایک نہایت دشوار اور کٹھن مرحلہ ہے کیونکہ فریقین کی تمام کتبِ تاریخ کی فراہمی ان کی بالاستیعاب ورق گردانی، اخلاقی روایات کے ضروری حوالہ جات ان کی محققانہ چھان بین ہر واقعہ کی تحقیق و تنقیح ہر روایت کو اصول اور درایت کی کسوٹی پر کسنا، ہر روایت کی تائید یا تردید تاریخی شہادتوں سے کرنا راویوں کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کی جرح اور اس دماغ سوزی کے بعد قابلِ اطمینان نتیجہ پر پہنچنا نہایت ہی دشوار، دقّت طلب فرصت طلب اور محنت طلب کام ہے کہ صرف ضمیر اختر صاحب ایک شخصِ واحد اس عظیم الشّان کام کی حوصلہ شکن مشکلات سے بہ تائیدِ محمد و آلِ محمدؑ عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔

جن افراد میں اصولِ دین اور عقائدِ خمسہ میں ہی عدم تقلید اور دلائلِ عقلی سے تنقید

کر سکنے کی اہلیت نہ ہو کس قدر مقامِ حیرت ہے کہ اسی طبقہ کے افراد ان واقعات کی جرح و تاویل پر جن کا سنناسنانا داخلِ عبادت ہو بھولے سے بھی توجہ نہ کریں۔ ذاکر منبر پر بیٹھ کر جو کچھ بیان کر دے اس کے صحیح وغلط، مقبول و موضوع، موزون و ناموزوں میں امتیاز کئے بغیر سرِ تسلیم خم کر دیں حتیٰ کہ ساقط الاعتبار اور بے سروپا روایات کو بھی جو سراسر بہتان و افترا اور منافیٔ شانِ اہلبیتؑ اور باعث توہینِ خاندانِ رسالت ہوں رنگ آمیزی و جدّت طرازی کے ساتھ بیان کرتے سے نہ جھجکیں اور ذاکرین و سامعین کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو جائے کہ ابکاو بکا کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے، جو کچھ بھی کہا جائے، جو کچھ بھی سُنا جائے سب کا سب جائز ہے، اس کے برعکس جناب قبلہ ضمیر اختر صاحب کے پاس ہر بات چھان پھٹک کر اقوالِ ائمہ کی روشنی میں جانچ کر پڑھی اور لکھی جاتی ہے اور مکروہ الفاظ سے پرہیز کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات تہذیب و متانت کے خلاف ہے۔

صرف اردو شاعری میں ہی شاگردی کا سلسلہ رائج ہے، جہاں تک معلوم ہے کسی دوسرے ادب میں یہ رواج اس شکل میں قائم نہیں ہوا، ماجد رضا عابدی نے اردو کے قواعد و ضوابط مستند کتابوں سے لئے ہیں اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے لئے ایک رہنما تلاش کریں، رفتہ رفتہ ماجد صاحب ایک مستقل شاعر بن گئے اور مرثیہ گوئی و سوز و سلام میں اچھے اچھوں کو پیچھے چھوڑ گئے، انشاءاللہ امید کرتے ہیں، کہ قبلہ جناب ضمیر اختر نقوی صاحب اور بزرگوں کی دعا سے یہ سلسلہ بہ سلسلہ آئندہ تک چلتا رہے گا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُستادی اور شاگردی کے رواج کے باعث شعراء کے ذاتی جوہر پورے طور پر ظاہر نہیں ہو پاتے، شاگرد اکثر استاد ہی کے قدم بہ قدم چلتے رہتے ہیں، اپنے لئے نئے راستے نہیں نکالتے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اکثر اساتذہ نے اپنے فرائض بڑی خوبی سے انجام دیئے اور شاگرد کو ان کے مخصوص رجحان کے لحاظ سے ترقی کرنے میں پوری مدد دی۔ ماجد صاحب کا کلام بناوٹ اور تصنّع سے پاک، سادگی اور زبان کی شیرینی کے لئے مشہور ہے، ان کے کلام میں بول چال کا لُطف بھی ہے۔ ماجد صاحب کی علاّمہ صاحب سے عقیدت مندی کی خاص وجہ یہ ہے کہ علاّمہ صاحب کے یہاں سچے اور حقیقی واقعات مناسب الفاظ میں اختصار کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔ ماجد صاحب اپنے خاص انداز میں کچھ نرمی، کچھ خود داری، اور اکثر و

بیشتر انداز جداگانہ ہوتا ہے، ماجد صاحب کے خاندان کے بھی احسانات مومنوں پر بہت ہیں کہ ان کے لختِ جگر نے اپنے مرثیوں سے مومنوں کو فیضیاب کیا اور مرثیوں کو ایسی بلندی پر پہنچایا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ جناب ضمیر اختر نقوی صاحب کے علمی حلقے میں انتخاب کسی دولت یا منصب سے نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہاں معرفتِ اہلبیتؑ کتنی ہے، خلوصِ نیت اور دل منافقت سے پاک ہو، انسان انسان کو پہچانتا ہو میں یہاں پر ایک ایسی شخصیت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں، انکا نام جاوید عباس جعفری عرف عام میں جاوید کے نام سے مشہور ہیں، نہایت خاموش لیکن جب بولتے ہیں تو موقع محل کے مطابق مناسب جملہ کہتے ہیں اور اپنے آپ کو نمایاں نہیں کرنا چاہتے ہیں قائم رضا کے ساتھ ہر خدمتِ مجلس میں ساتھ رہتے ہیں، حالانکہ اپنے پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں، لیکن علم، ادب کی خدمت میں اپنے پیشے کو خاطر میں نہیں لاتے۔

قائم رضا نقوی شکارپور (انڈیا) کے رہنے والے ہیں زیادہ وقت انچولی سوسائٹی کراچی میں گذرا پہلے اور آخری جناب علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب کے شاگرد ہوئے۔ قائم کی شاعری اور ذاکری اعلیٰ جذبات بندشوں کی خوبی اور ذاکری میں غم انگیزی نظر آتی ہے۔ ایک شعر نذر ہے، قائم کے لئے جناب ضمیر صاحب کی شاگردی سے پہلے کا احوال :

پوچھ نہ قائم کہ کٹی عمر　　　جوں ہوا اِک چند بسر کر گیا

چند خوبیاں جو قائم میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ انتہائی فرمانبردار، صابر و شاکر، محنتی، جفا کش، تھکن کے اثر سے عاری، عیب جوئی نہ خود کرتا ہے نہ سنتا ہے، ہر طریقے سے امین، دل کا سخی، قناعت پسند، بہادر و نڈر، وفادار، وفاشعار اور کم سخن۔

علّامہ ضمیر اختر نقوی صاحب نے انسانوں کو پھول بنا دیا ایک مثال میری ہی ہے اور دوسرے قائم رضا نقوی کی ہے، کہ جن کو گمراہی سے نکال کر صبر و استقامت، محنت، فرماں برداری، ادب و تہذیب کا پیکر بنا دیا اور اب تو ماشاءاللہ مجلسیں بھی پڑھنے لگے ہیں۔ کمال حیدر رضوی کو کیا سے کیا بنا دیا، جواب مجلسیں اور ارکانِ مجلس کما حقہٗ ادا کر رہے ہیں اور ایک جناب ماجد رضا عابدی صاحب ہیں کہ ان کو تراش خراش کر ایک نایاب ہیرا بنا دیا ہے جو کہ فنِ

سوز خوانی کے ماہر ہیں، مرثیے بھی کہتے ہیں، حدیثِ کسا کی تلاوت سے لے کر زیارت اور نوحہ خوانی کے فن میں بھی سب سے آگے ہیں۔ میری دعا ہے کہ ہر ایک مذکور ترقی کرے۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب نے امیر و غریب کا فرق مٹا دیا اور بتا دیا اور عمل کر کے دکھا دیا کہ انسان فقط خدا کے سامنے جھکتا ہے اور علاّمہ صاحب نے خدا کے بتائے ہوئے اسی قانون پر چل کر انسانوں سے محبت کی، وہ اپنے غریب ملنے جلنے والوں کو اپنی نعمتوں میں شریک کر لیتے ہیں اور ان ہی غریب بھائیوں کے سامنے عذر بھی کرتے ہیں کہ مجھ سے حقِ خدمت ادا نہیں ہو سکا۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب جان سے گذر سکتے ہیں مگر ان کی زبان پر جھوٹ یا بے ادبی کے جملے نہیں آسکتے، ظالموں اور سرمایہ داروں کے بھی کبھی شریکِ کار نہیں ہو سکتے۔ اسی ذیل میں ایک واقعے کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، علاّمہ صاحب رضویہ کے امام باڑے میں ایک ایصالِ ثواب کی مجلس پڑھ رہے تھے۔ اس مجلس میں پاکستان کے ایک مشہور سیٹھ اور سرمایہ دار کہ جن کے دروازے کی دربانی اور جن کے دستر خوان کی خوشہ چینی کرنا بڑے بڑے علما فخر سمجھتے ہیں۔ مجلس کے بعد وہ سیٹھ اپنی گاڑی میں بیٹھے اور ایک مولوی کے ذریعے علاّمہ صاحب کو دعوت دی کہ علاّمہ صاحب ان سیٹھ کی گاڑی میں ان کے ساتھ بیٹھ جائیں لیکن علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب نے بتا دیا کہ ذاکرِ حسینؑ کسی غیر کا یا کسی دولت مند کا ثنا خوان اور خوشہ چین اور درباری نہیں ہوتا اور آپ نے ان کو جواب دیا کہ سیٹھ صاحب سے کہو کہ وہ خود ہم سے ملیں ہم ان کے پاس نہیں جائیں گے۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی بے باک ترجمانیٔ حق اور بے مثال قربانیٔ نفس ہم سے پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے میری قوم کے بھولے لوگوں جاگو اور ظاہر و باطن کا جائزہ لو، اور جو ضمیر اختر نقوی نے علم کا موجیں مارتا ہوا دریا پیش کیا ہے اس میں دو دو گھونٹ پی کر حق کے متوالے بن جاؤ، آؤ میدان میں آؤ، ہے کوئی جو اپنے کو مسلمان کہتا ہو بلکہ انسان کہتا ہو تو وہ آج اپنے ضمیر سے عہد کرے کہ حق پر کون ہے، اور اسی حق پر قائم ہو جائے، اور بانگِ دہل اعلان کرے کہ آج سوائے علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے ہے کوئی جو واقعاتِ کربلا اس کی اصل روح اور صحیح تاریخ کے ساتھ پیش کر رہا ؟

علم و فضل میں غیر معمولی شہرت حاصل کرنے اور اس میں نابغۂ روزگار بننے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔

وہ اوصاف جو کسی انسان کی سرشت میں داخل ہوں یا وہ اوصافِ خصوصی جو اس کی ذاتی ذوق کے تعین اور اس کی فکری قابلیت کی نشان دہی کرتے ہوں یا اس نے ایسی کتب سے راہ متعین کرلی ہو جو ان کے خیال میں بڑی سیدھی اور عمدہ ہو۔

اس کے ذاتی احوال و اوصاف جو زندگی کے مختلف مراحل اور ادوار میں اس نہج کو اختیار کرنے کا باعث ہوئے۔

بعض اوقات دو مختلف انسانوں میں ایک ہی قسم کی صلاحیتیں اور یکساں قابلیت کے عنصر جمع ہو جاتے ہیں لیکن ایک کامیاب ہوتا ہے اور دوسرا ناکام ہوتا ہے، یا کامیابی کی راہ پر چلتا ہی نہیں کیونکہ اس کا مخصوص ماحول جداگانہ خیالات کی نشاندہی کرتا ہے۔

وہ عصر اور وہ عہد جو اس پر سایہ فگن ہو اور وہ فکری گردوپیش جس میں وہ پروان چڑھے اور اس کی فطری صلاحیتیں اجاگر ہوئیں۔

اب ہم ایک ایک کرکے ان عناصرِ اربع کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔

ذاتی اوصاف و کمالات

جناب ضمیر اختر نقوی صاحب میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ایک بلند پایہ عالمِ دین میں ہونا چاہئیں، آپ ایک سچے عالِم کی صفات سے متصف، قابلِ اعتماد، گہری سوچ سمجھ رکھنے والے، حقائق کے سمندر کے شناور اور بڑے حاضر دماغ ہیں۔

آپ بڑا ضبطِ نفس رکھتے اور اپنے جذبات و احساسات پر انھیں بڑی قدرت حاصل ہے، نہ سخت لہجہ، نہ دلکش باتیں، یا عبارت آپ پر اثر انداز ہوتی ہیں اور نہ ہی شیریں کلامی آپ کو جادۂ مستقیم سے منحرف کرسکتی ہیں۔

جناب ضمیر اختر نقوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارا دل ہر دوست و دشمن کے لئے بڑا فراخ ہے، آپ کے صبر و تحمّل اور بلند حوصلگی کے یہ معنی نہیں کہ آپ کے احساس و شعور میں ضعف اور جمود پایا جاتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ بڑے حسّاس، خوددار اور وسیع الذہن ہیں۔

آپ کی ذات، آپ کے فن خطابت اور آپ کی فکر عقیدۂ توحید کے گرد گھومتی ہے۔
آپ فرماتے ہیں، میں نے توحید اور خدا کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، میں اس کا شریک کسی کو نہیں ٹھہراتا، اور میں صرف اسی عفو کا امیدوار ہوں میرا دل اور میری فکر آئینے کی طرح شفاف اور واضح ہے لہٰذا اگر کوئی مجھ سے حسد، جلن اور کوئی شکایت رکھتا ہے تو یہ اس کا کھوکھلا پن ہے، میں ایسے شخص سے اپنی طرف سے غلط فہمی دور کرنے کے لئے معافی مانگنے کے بجائے خدائے واحد سے لو لگانے کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں، اگر کوئی جاہل میرے بارے میں غلط سوچے تو میں اسے معاف کرتا ہوں اور اگر کوئی عالم اس فعل کا ارتکاب کرے تو وہ نقصان اٹھائے گا، کیونکہ علما کی غیبت کے اثرات ان کی موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔

غرض کہ علّامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کا حلم، وقار اور سنجیدگی کسی قسم کے جمود اور بے حسی سے عبارت نہیں ہے، بلکہ آپ ایک بلند ہمّت، متقی، صبر و سکون سے بہرہ ور انسان ہیں، آپ کا احساس و شعور اللہ اور اس کے دین سے وابستہ ہے، آپ کو لوگوں کے اذہان کی آلودگیوں اور کثافتوں سے کوئی واسطہ نہیں، آپ ایک ملائم اور درخشاں قرطاس کی طرح ہیں جس پر لوگوں کی بدزبانی اثر نہیں کرتی ہے بلکہ بدزبانی کرنے والا آپ کے اخلاص اور شفافیت سے مرعوب ہو کر جاتا ہے، آپ ایک کوہِ وقار اور صبر و تحمّل کا ہمالہ ہیں۔

استقلالِ فکر و نظر

ذاتِ لایزال نے آپ کو استقلالِ فکر سے مالا مال کیا ہے اور آپ دوسروں کے افکار میں جذب نہیں ہوتے، یہ آزادیٔ غور و فکر ہی کا نتیجہ ہے کہ علّامہ صاحب اپنے افکار و نظریات میں کسی کے مقلّد نہیں بلکہ براہِ راست کتبِ تفاسیر و تاریخ اور اقوالِ ائمہ اہلبیت علیہم السّلام سے مسائل اخذ کرتے ہیں اور ان ہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

دقّتِ نظر اور حاضر دماغی

علّامہ ضمیر اختر نقوی کی فکر و نظر میں بڑی گہرائی اور گیرائی ہے، دورانِ گفتگو بحث کے اور موضوع کے ظاہری الفاظ تک محدود نہیں رہتے بلکہ اس میں پوشیدہ معانی و مفاہیم تک پہنچتے ہیں اور سامنے والے کے مافی الضّمیر کو اس سے بہتر انداز میں اس ہی کو سمجھا دیتے ہیں

جس پر وہ بھونچکا ہو جاتا ہے، آپ کا مطالعہ سطحی اور ظاہری نہیں ہے بلکہ مصنف اور اس کی فکر کے علل و غایت تک پہنچتے ہیں اور کتاب کے ماحصل کو ڈھونڈ نکالتے ہیں، آپ کی ایک تقریر سیکڑوں کتابوں میں موجود مواد پر بھاری ہوتی ہے۔آپ بڑے زیرک اور ذہین ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ حریفِ مقابل کو خاموش کرانے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے،اس ضمن میں آپ سے متعلّق نہایت تعجب خیز اور حیرت افزا واقعات مشہور ہیں جو انشاءاللہ تفصیلی مضمون میں عرض کروں گا۔

جذبۂ اخلاص

علّامہ صاحب طرف داریٔ حق میں بے حد مخلص ہیں، یہ آپ کا جذبۂ اخلاص ہی ہے، کہ جس سے آپ کو رفعت وشان، روشنیٔ قلب و ضمیر اور نورِ معرفت حاصل ہوا ہے، کیونکہ جو دل اغراضِ نفسانی سے پاک ہو اور کثافتِ ذہن سے دور اور مسائلِ زیست میں ہوا و ہوس سے مبرّا ہو وہ ہی نورِ معرفت سے بہرا مند ہوتا ہے، علّامہ صاحب کے جذبات واحساسات پاکیزہ ہیں، اور ان کی فکر و نظر حاملِ صدق وصواب ہے۔

علّامہ صاحب کا رعب ودبدبہ

ان جملہ اوصاف و خصوصیات پر ایک صفت غالب ہے اور یہ صفت ان تمام صفات کا مظہر اور پروردگار کی عنایتِ خصوصی ہے اور وہ ہے آپ کی شخصی قوّت، آپ کا اثر و نفوذ، آپ کا شکوہ ودبدبہ، مقناطیسی جاذبیت اور روحانی قوّت، آپ کی رائے آخری اور فیصلہ کن ہوتی ہے، تقریر کے دوران پورے مجمع پر آپ کا رعب ودبدبہ اور سحر قائم رہتا ہے۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ، میں ایک عبدِ ذلیل، بندۂ حقیر و پُر تقصیر جس کو نہیں معلوم کہ مالک الملک کے دربار میں جہاں نیک وبد، شاہ و گدا ایک ہی صف میں ہونگے اس کی رُوبکاری کس حیثیت سے ہوگی، ہاں اسی غفّار وستار کی ذاتِ پاک پر بھروسہ ہے، جس نے "سبقت رحمتی علیٰ غضبی" فرمایا ہے کیا عجب کہ میری اس تحریر کے یہ چند اوراق میرے لئے ذریعۂ نجات ہو جائیں، اور ارحم الرّاحمین بطفیلِ شفیع المذنبین واہلبیتِ طاہرینؑ وبتصدّق شہدائے کربلا میری اس سعی کو مشکور فرما کر اس گرفت سے جس کا میں مستحق ہوں معاف فرمادے۔ (آمین)

میرا مشاہدہ

سیّد محمد عباس نقوی ــ (انجمن رضائے حسینی)

یہ مضمون چند چھوٹے چھوٹے واقعات و مشاہدات پر مشتمل ہے، جبکہ راقم کی حیثیت محض ایک (Observer) کی ہے جو اس ماحول میں ایک کمپوزر، ڈیزائنر کے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے دوران اپنے مشاہدات کی روشنی میں بہت کچھ اخذ کر رہا ہے، گویا کسبِ علم میں مصروف ہے۔

ضمیر بھائی سے میری ملاقات انجمنِ رضائے حسینی کے عشرۂ مجالس کے دوران ہوئی، یہ بات ہے غالباً 1986 کی، اُس زمانے میں انجمن کا الوداعی عشرہ خاصا مشہور تھا جسکی وجوہات میں الوداعی ترین عشرہ ہونا، اور ضمیر بھائی کا الوداعی تین مجلسوں کے دوران مختار نامہ پڑھنا شامل ہے۔ تقریباً ۵ سال لگاتار یہ عشرہ ضمیر بھائی نے پڑھا جس کے بعد 1990 میں یہ لاہور جانے لگے اور اس عشرے سے علاّمہ عرفان حیدر عابدی (مرحوم)، علاّمہ نوّاب حیدر عابدی، علاّمہ فرقان حیدر عابدی، علاّمہ شبیہ الحسن (اسلام آباد)، اور مولانا آقا حیدر نقوی وغیرہ نے خطاب کیا، درمیان میں ایک عشرہ دوبارہ قبلہ ضمیر اختر صاحب نے پڑھا۔ الغرض آج یہ عشرہ تو موجود نہیں نامعلوم وجوہات رہی ہونگی۔ اسکے علاوہ انجمن کی جانب سے ۱۱ محرّم الحرام کو مثلِ شامِ غریباں یومِ زینبؑ کا انعقاد بھی ضمیر بھائی کے ہی دور میں ہوا اور اس پروگرام کی بنیاد ڈالنے کے سلسلے میں ضمیر بھائی نے ہر طرح انجمن کے ساتھ تعاون کیا، پھر قبلہ سے ہماری ملاقاتیں کم ہوتے ہوتے اچانک تقریباً ختم ہی ہوگئیں کہ ایک دن معروف نوحہ خواں عزّت لکھنوی کے صاحب زادے آغا عفّت الزّماں المعروف اسد آغا (صاحبِ بیاض انجمنِ ظفر الایمان) نے مجھے بتایا کہ ضمیر بھائی کو کمپیوٹر پر کمپوزنگ کیلئے ایک آدمی چاہئے،

میں انکی خدمت میں حاضر ہوا اور اب ان سے بلاناغہ ملاقات رہتی ہے، اس دوران میں قبلہ سے کبھی کبھی مرثیہ، اردو ادب، لفظیات کے حوالے سے سوالات پوچھتا رہتا ہوں اور مدلّل جواب سے فیضیاب ہوتا ہوں اس سلسلے میں عرض کروں کے اپنے تعلیمی کیریئر کے دوران میں نے ان جیسا اُستاد نہیں دیکھا، مثال پیش کرتا ہوں!

میں نے پوچھا! ضمیر بھائی اردو زبان کو مرثیہ سے فائدہ پہنچا یا مرثیہ پر اردو کے اثرات مرتب ہوئے؟

انتہائی قطعیت کے ساتھ جواب موصول ہوا!

"اردو کے لفظ بنے ہی مرثیہ سے ہیں"، مزید گویا ہوئے، "بھئی، اصل میں مرثیے نے اردو لفظیات کو صحیح تلفّظ اور مفہوم عطا کیے ہیں، مثلاً اردو کے روزمرّہ کے بعض الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے معنی کسی لغت میں نہیں مل سکتے، لیکن مستعمل ہیں، انکے معنی سمجھے تو جاسکتے ہیں، لیکن بیان نہیں کیے جاسکتے، مرثیہ نے انہیں صحیح انداز اور تلفّظ کے ساتھ استعمال کر کے سند بخش دی، گویا لُغت عطا کر دی، اسکے علاوہ اردو ادب میں منظر نگاری کا جو مزاج مرثیے میں ہے کہیں اور نہیں ہے، کیونکہ مرثیے عموماً مربّع یعنی چار مصرعوں، یا مسدس یعنی ۶ مصرعوں میں ہوتے ہیں جسکے بند کی تعداد ۲۵۰ بند تک جاسکتی ہے، لہٰذہ مرثیہ میں یہ سب زیادہ بہتر طور پر ادا ہوسکتا ہے" اس گفتگو سے آپ حضرات بخوبی اندازہ لگاسکتے ہیں کے یہ جب بول رہے ہوتے ہیں تو الفاظ کے تمام پہلو انکی نظر میں رہتے ہیں، اور بات کو مفصّل انداز سے سمجھا دیتے ہیں۔

ایک دن کھانا تناول فرمارہے تھے، مجھے بھی ساتھ بلالیا، دورانِ گفتگو کہنے لگے۔ "دیکھو، یہ جو سب کچھ ہم کررہے ہیں، کتابیں چھاپ رہے ہیں، غیر مطبوعہ کلام چھاپ رہے ہیں، اگر اس میں کوئی غلطی نادانستگی سے بھی رہ جائے تو ابھی تو ہمیں کوئی نقصان نہیں لیکن اگر آج سے سو سال بعد کسی نے کوئی غلطی ڈھونڈلی ہم پر انگلی اٹھادی تو بھئی ہماری محنت تو سب بیکار گئی نا، اس لئے ہم لفظ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔" انکے یہاں کمپوزنگ کے دوران اس بات کا ثبوت اس انداز میں دیکھا کہ اگر کسی جگہ کسی لفظ پر شبہ ہوجائے تو فوراً اصل سے سند لیتے ہیں، اگر اپنی ہی تقریر کیسٹ سے اتار کر کمپوزنگ کرار ہے ہوں اور کسی لفظ پر شبہ ہو جائے تو اسے

check بھی کیسٹ ہی سے کرتے ہیں۔

ایک خصوصیت یا انفرادیت کہیئے جو انکے یہاں ہے کہ، انکے یہاں روایات کی پاسداری کا نظام انتہائی فعال ہے، یعنی، اگر خوشی کے دن کوئی تقریر کر رہے ہوں تو قبلہ مصائب نہیں پڑھتے، اسکے علاوہ تاریخی واقعات، ولادتِ معصومینؑ، شہادتوں وغیرہ سے متعلق دن اگر تقریر کر رہے ہوں تو مومنین کو اس واقعے، یا دن سے متعلق اصلیت سے آگاہی بخشنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص انکی علمیت کی تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ ابھی چند دن قبل تنظیم عزا کے طرحی منقبت خوانی کے پروگرام کے دن تنظیمِ عزا کے صدر جناب ثروت (انجمنِ ناصر العزا)، نیّر پنجابی (الذّوالفقار) اور حسن عباس (ریحان اکیڈمی) کے ساتھ کسی جگہ گفتگو کے دوران ضمیر بھائی کا ذکر آیا تو ثروت بھائی بولے، کہ "ضمیر بھائی کی علمیت اور تحقیق پر کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا" جس پر موجود دونوں حضرات نے بھی اتفاق کیا، اس واقعے کے ضبطِ تحریر میں لانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ عام سامع، کے مقابلے میں ان قومیات سے متعلق حضرات کی نظر خاصی تیز تر کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ گویا گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوتے ہیں۔

بات ہو رہی ہے قبلہ کی علمیت کی تو عرض کروں کہ مجھ کم علم کی نظر میں علمیت کا تعلق کسی روحانی طاقت کے زیرِ اثر نہیں ہو تا بلکہ اسکے لئے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے، قبلہ کے مطالعہ کے حوالے سے عرض کروں کہ ان کا مطالعہ انتہائی وسیع ہے اور چاروں جانب ہے یعنی کسی بھی موضوع پر بات کیجئے آپ جواب میں کسی قسم کی تشنگی محسوس نہیں کر سکتے، مجھے یاد ہے ایک دفعہ اسی (امام بارگاہِ چہاردہ معصومینؑ) میں دورانِ تقریر فرمایا، میں کسی بھی موضوع پر طویل ترین تقریر کر سکتا ہوں، اور اسکے بعد بارگاہ کی ایک دیوار کی جانب اشارہ کر کے فرمایا "آپ دیکھ رہے ہیں یہ دیوار ہے، آپ حضرات دیوار کے بارے میں کیا جانتے ہیں، اور پھر دیوارِ قہقہہ سے شروعات کرتے ہوئے دیوارِ چین سے گزر کر شام میں زندانِ شام کی دیوار پر تقریر کو ختم کیا۔ کیا یہ کوئی آسان کام ہے؟ ــــــــــــــ اہلِ نظر سوچا کریں

ہم بات کر رہے تھے مطالعہ کی، تو قبلہ موصوف صبح فجر کے بعد سے رات بارہ اور ایک بجے تک مطالعہ میں ہی مصروف رہتے ہیں، اس دوران جو کچھ بولتے ہیں وہ تاریخ ہوتی ہے، ادب

ہو تا ہے، روایات ہوتی ہیں، ان مصروفیات کے نتیجے میں قوم کو "القلم" جیسا پرچہ ملتا ہے، جو اپنے اجرا کے فوراً بعد ہی سے مرثیہ کے شائقین میں دستاویز کی حیثیت اختیار کر گیا، اس میں قبلہ کے اپنے تنقیدی مضامین، غیر مطبوعہ مرثیہ، مرثیہ نگاروں کے مختلف حالاتِ زندگی وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ رمضان المبارک کے دوران تفسیرِ قرآن کے حوالے سے لگاتار ۳۰ یوم تقاریر جسکی نظیر کہیں نہیں ملتی، ان سے آپ کو اور ہمیں کیا مل رہا ہے، ہمیں وہ علم مل رہا ہے جسکے بارے میں آپ سب مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ آج یہ علم کہیں اور نہیں مل رہا۔ اسکے علاوہ قبلہ کا دھیما دھیما انداز، تقریر میں مکالمے کے انداز کو فروغ دینا، آدابِ نشست و برخاست وغیرہ ہمارے لئے ایک نعمت ہے، یقیناً یہ سب کچھ آج کے دور میں کسی دوسرے کے لئے ناممکن ہے۔ انکی رثائی خدمات میں اگر ہم ان کی تقاریر و تحریر کے علاوہ انکی دریافت کردہ شخصیتوں کو ہی دیکھیں تو ان میں ماجد رضا عابدی، قائم رضا، قبلہ کمال حیدر، اور شاعرِ آلِ عمران شوکت رضا شوکت کے علاوہ بہت سے نام ایسے ہونگے جو ان سے فیض حاصل کر کے اپنا مقام بنا چکے، اِن تمام حضرات میں تقریباً سب ہی کراچی اور کراچی سے باہر تمام دنیا میں اپنا مقام بنا چکے ہیں۔ انکی دریافتوں میں بھائی نسیم حسن پٹن کا شمار نہ کرنا ہر دو فریقین کے ساتھ زیادتی ہوگی، کیونکہ خود بھائی پٹن کے بقول کہ بھائی ہم تو بالکل ان پڑھ ہیں لیکن ان کے فیض اور حوصلہ افزائی نے القلم جیسے پرچے میں ہمیں شامل کیا اور اب ہم جو کچھ ہیں گویا ہم دوبارہ پیدا ہوئے ہیں۔

میں بھائی پٹن سے عرض کروں گا کہ حضور دوبارہ زندہ ہونے والے آپ اکیلے نہیں ہیں، کیونکہ ضمیر بھائی ایک ایسا کام کر رہے ہیں جسکے باعث ہزاروں نہیں لاکھوں مرثیہ نگار دوبارہ زندہ ہو جائیں گے، میرا اشارہ مرثیہ کی ہزار سالہ تاریخ کی جانب ہے، اس میں ۱۰۰۰ سال کے دوران کے تمام مرثیہ نگاران کے مختصر حالاتِ زندگی کے ساتھ غیر مطبوعہ مرثیے شامل کیے جا رہے ہیں، جسکی ترتیب کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے، محض تزئین کا کام جاری ہے۔ اسکے شائع ہونے سے مرثیہ کی پوری تاریخ بدل جائے گی۔

ضمیر بھائی کو اگر اپنے کسی شاگرد پر ناز ہے تو وہ نام معروف مرثیہ گو، مرثیہ خواں، سابقہ صاحبِ بیاض ماجد رضا عابدی کا ہے، ایک دن غالباً حسین بھائی سے گفتگو کے درمیان میں

بولے! ''بھئی یہ ماجد کو دیکھئے، ہمارے ساتھ کس قدر ذہنی ہم آہنگی ہے، کہ ہم کسی مصرعے کے بارے میں صرف سوچتے ہیں کہ ماجد سے کہیں گے کہ اسے یوں ہونا چاہئے، اور جب ماجد سے بات کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے عین اُس ہی طرح مصرعہ صحیح کئے بیٹھے ہوتے ہیں۔'' اور اتنے عرصے میں میں نے محسوس کیا کہ ماجد واقعتاً اس اعزاز کے لائق ہیں۔

اب میں آج کے حوالے سے عرض کروں کہ یہ بھی صرف ضمیر بھائی کے ہاں ہی دیکھا کہ سامعین کی کیا اہمیت ہوتی ہے، کبھی کبھی تقریر کے دوران اپنے سامعین میں سے بعض کا نام لے کر انہیں شہرت بخشتے ہیں، کبھی اُن سے مقالہ پڑھوا کر اُنھیں اُن کی حیثیت و اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔ اور کہاں ملتی ہیں یہ روایات؟۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعتاً اپنے سامع کو بہت اہمیت دیتے ہیں، جبکہ سامع کے لئے بھائی پٹن کا نظریہ یہ ہے کہ، پہلے سامع کو لگاتار ۳ سال قبلہ کی تمام مجالس میں شریک ہو کر انکے انداز کو سمجھنا چاہئے اسکے بعد اُسے سامع ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا جاسکتا ہے۔

آخر میں خدائے بزرگ و برتر کے حضور دست بدعا ہوں کہ خدا اس شخص کے سائے کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے، کہ ہمیں ابھی اِن کی اشد ضرورت ہے۔

ڈاکٹر جعفر محسن (گلبرگ)

اس عہد کے عظیم خطیب

میں آپ حضرات کا بے حد شکر گذار ہوں کہ آپ نے علماء و خطباء، ذاکرین اور شعراء کرام کے اس اہم اجتماع میں مجھ ناچیز کو اظہار خیال کا موقع عنایت فرمایا۔

مومنین کرام نامور خطیب، اسکالر و دانشور جناب الحاج علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی مدظلہ العالی پر اظہار خیال کرنا سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے۔

قدرت نے آپ کو بیش بہا خوبیوں سے نوازا ہے آپ ادیب، شاعر، محقق اور مایہ ناز خطیب اہلبیتؑ ہونے کی حیثیت سے نہ صرف پاک و ہند بلکہ دیگر ممالک میں بھی شہرت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ کا شمار ایسے مجاہدین میں ہوتا ہے جو جہاد فی القلم سے اسلامی اقدار اور علوم محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فروغ کے لئے شب و روز مصروف رہتے ہیں آپ کی تحریر اور قوت زبان و بیان کا ہر شخص معترف ہے۔ آپ اپنی ذات میں خود ایک ادارہ ہیں۔

آپ کی بے شمار تخلیقات، قومی و مذہبی خدمات کی آئینہ دار ہیں جو ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ آپ کی حق شناسی، معرفت و محبت اہلبیتؑ علیہم السلام زندگی کا جزو بن چکی ہے۔ قدیم و جدید علم و ادب کا گہرا شعور اور ادراک اور علوم اہلبیتؑ کے خزانے سے مالا مال آپ ایک ایسی شخصیت ہیں جس پر قوم کو فخر ہے آپ نے علوم و فنون کے خزانوں کو تلاش کر کے خطابت کی دنیا میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ قوم و ملک کے اس محسن کیلئے ہماری دعا ہے کہ پروردگار عالم موصوف کو خدمات اہلبیتؑ کے صلہ میں اپنی نعمات سے نوازے اور عمر دراز عطا فرمائے۔ (آمین)

سیدذکی عابدی (سمن آباد)

"THE UNMATCHED ORATOR"

I have to speak some words in regards of the renowned world scholar, a great marsia reciter, a dominant orator, himself a poet, a dignified writer Doctor, Allama Syed Zamir Akhter Naqvi who is wellknown to entire world, there is no one in entire Pakistan, India and in whole Asia no other person can actually match his respect and I challenge this to evey body.

قمر عباس

جنت کا پیغام

محترم قبلہ سیّد الحاج علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی تعریف جتنی بھی کی جائے کم ہے۔علاّمہ صاحب کے کیا کہنے میرے پاس تو وہ الفاظ ہی نہیں جن سے قبلہ کی تعریف کروں قبلہ صاحب ایک علم کا سمندر ہیں۔ میری نظر میں قبلہ صاحب جیسا خطیب اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہے۔

ذکر آلِ محمدؑ پہ قبلہ صاحب نے اتنی ریسرچ کی ہے کہ اس دور میں کسی خطیب نے ایسی ریسرچ نہیں کی ہو گی۔

ہم نے بہت سے خطیبوں کو سنا ہے۔ لیکن ایسا خطیب نہیں پایا ان کے آلِ محمدؑ کے فضائل و مصائب بیان کرنے کا جواب نہیں۔ قبلہ صاحب جب خطابت کر رہے ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ منھ سے پھول جھڑ رہے ہوں ان پھولوں کی خوشبو ہی سے انسان ایسا محو ہو جاتا ہے کہ کسی اور طرف توجہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بس انسان یہ چاہتا ہے کہ علاّمہ خطابت کرتے رہیں اور ہم ان سے مستفید ہوتے رہیں۔ واہ! قبلہ صاحب کے کیا کہنے وہ ایک جنت کا پروانہ ہیں۔ قبلہ علم و ادب کا ایسا بہتا ہوا دھارا ہیں جس کی مثال نہیں ملتی۔ قبلہ صاحب ملت جعفریہ کیلئے خداوند کریم کی طرف سے بہت بڑا انعام ہیں۔ خداوند کریم قبلہ صاحب کو تاقیامت سلامت رکھے۔ تاکہ آلِ محمدؑ کے فضائل و مصائب بیان کرتے رہیں۔

انورشاہ جی (انچولی)

خطیب اعظم محقق اعظم خطیب اہلبیتؑ
ذاکر دوراں و یکتا

بعدۂ سلام میں بہت عرصہ دراز سے آپ کی تقاریر سن رہا ہوں میری نظر میں مجلس عزاوہی ہے جو آپ بڑے اہتمام سے انجام فرمارہے ہیں۔ آپ کی تقاریر نہ صرف تقاریر ہیں بلکہ ایک بہتا ہوا جوش مارتا ہوا سمندر ہے۔ اس دور میں جبکہ ہر طرف گھما گھی ہے آپ نے علم کو شگاف کیا اور اس کے موتی بکھیرے، آپ نے علم کے وہ در کھولے جو کہ شاید ہی کوئی ذاکر کھولے، حقیقت میں آپ ہی اہلبیتؑ کی آواز ہیں اور آپ ہی نقیب اہلبیتؑ ہیں، میری دعا ہے کہ خداوند حق چہاردہ معصومینؑ کے صدقے سے آپ کے علم میں اور اضافہ فرمائے۔ (آمین)

سیّد آل رضا رضوی عرف جمّو
(سکریٹری انجمنِ تنظیم الحسینی، انچولی)

یعسوبِ فکر

تمام تعریفیں اس خداوند لم یزل و لایزال کے لئے اور لاکھوں درود و سلام اہلبیتؑ اطہار پر کہ جن کی وجہ سے یہ کائنات عالم وجود میں ہے، جناب محترم، عظیم المرتبت، محافظ عزا، فخر قوم وملّت جعفریہ، مشعل تاریخ معصومینؑ، نقیب فضیلت پنجتنؑ، "خزانہ علوم حدنا معلوم" میں اپنی کم علمی کی وجہ سے طہارت ضمیر کے ساتھ بھی شاید اپنے ضمیر کا حق ادا نہ کرسکوں، جناب سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب کی ہمہ جہت شخصیت پر روشنی ڈالنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے جناب کی علمیت کو عمر قلیل یا عمر طویل کی کسوٹی پر پرکھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ علم امیر المومنینؑ کو علمِ شیخین کا ہم پلہ قرار دینا، کیونکہ ہمارے ملک میں اس وقت جتنے بھی سورما میدان خطابت میں اپنے علم کے جوہر دکھارہے ہیں ان سب میں جناب ضمیر اختر صاحب قبلہ کی علمی قابلیت بالکل ایسے ہے جیسے تمام روشنی دینے والے ستاروں کے درمیان چاند، اور قمر کا لقب رسولؐ اللہ نے جناب امیرؑ کو ان کی علمی منزلت کی وجہ سے ہی عطا کیا تھا یعنی جس طرح چاند انسان کو ٹھنڈک اور روشنی بخشتا ہے اور چاند کی روشنی ٹھنڈی اور پرسکون ہوتی ہے اسی طرح حقیقی علم بھی انسان کے ذہن کو ٹھنڈک اور روشنی بخشتا ہے اور پھر اس علم کی روشنی میں اپنے لئے شعور کی منزلیں تلاش کر کے فلاسفر، ڈاکٹر یا علم کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزل تک پہنچ جاتا ہے نہ جانے کتنی ہستیاں ہوں گی جو کہ جناب ضمیر اختر صاحب کے علم فصیح و بلیغ سے استفادہ کرتے ہوئے علم کی اعلیٰ سے اعلیٰ منازل تک پہنچی ہوں گی ان کی شخصیت کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک بھرپور سایہ دار درخت خود تو دن بھر سورج کی تپش اور شدید گرمی اپنے اوپر

برداشت کرتا ہے مگر انسانوں کو بھرپور اور ٹھنڈا سایہ فراہم کرتا ہے۔ آنجناب بھی بالکل اسی طرح خود تو ہر لحہ مصروف مطالعہ رہتے ہیں اور جو کچھ علم بذریعہ مطالعہ حاصل کرتے ہیں وہ تشنہ گان علم میں بانٹ دیتے ہیں یعنی جہل کی دھوپ سے بچاتے ہوئے سایۂ علمی فراہم کرتے ہیں جناب کی طرحدار شخصیت کو سمجھنا بہت دشوار کام ہے علم کا کوئی بھی گوشہ جناب سے پوشیدہ نہیں ہے آپ جب چاہیں جس وقت چاہیں جناب سے کسی بھی علمی موضوع پر بات کرلیں اور پھر دیکھیں جناب آپ کو ہر ہر علم کے چہرے سے نقاب الٹ کر اس کی اصلیت اور اہمیت بتاتے جائیں گے آپ کو ایسا محسوس ہوگا گویا آپ کسی عالم باخبر کے سامنے نہیں بلکہ Computer کے سامنے بیٹھے ہیں اور ایک بٹن دباتے ہی وہ آپ کے سامنے اپنی تمام Memories واضح کرتا چلا جارہا ہے، انسان کی شخصیت اس کا حسن کردار، اس کی فصاحت وبلاغت اور حسن عمل ہی معصومؑ کی شخصیت کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے اور نمونے ہی پر بات ختم کرنا ناانصافی ہوگی دراصل نمونہ ہمیشہ اصل کا ہی ہوتا ہے یعنی جب اصل ہو تو نمونہ بنتا ہے، میرا مقصد خدوخال، سوچ و فکر، نزاکت پیرہن، الفاظ کا ذخیرہ بروقت خطابت، برجستگئ جواب کے حوالے سے جناب کو اگر نمونۂ میرانیسؔ کہا جائے تو بہت ہی مناسب ہوگا، آج کی دنیا میں خطابت اور سماعت کے معیار کی تشریح اگر یوں کی جائے تو غلط نہ ہوگا ہمارے یہاں خطیب بھی دو طرح کے ہیں اور سامعین بھی دو طرح کے، ایک مجمع علمی ہوتا ہے اور دوسرا فلمی ہوتا ہے علمی، علم کی طرف ہو جاتا ہے اور فلمی وقت سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے لہٰذا ہم اپنے ہر دل عزیز خطیب کو یعسوب فکر کہہ کر مخاطب کریں بھی تو کم ہے۔ میں اپنے اس مقالے کو اس شعر پر اختتام پذیر کرتا ہوں ؎

کیوں اور کیسے کہوں اِن کو میں، ضمیر اختر
میرے خیال میں تو یہ ہیں علم کا دفتر
یہ علمِ مولاؑ کا ایک بولتا نمونہ ہیں!
ولائے شہؑ سے چمکتا ہے یہ ہیں وہ اختر

سیّدہ زرّین فاطمہ

علم کی معراج

مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے جن سے میں علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب کی علمی مجلس سُن کر اپنے اندر پیدا ہونے والے احساس کی ترجمانی کر سکوں بس یہ سمجھ لیجئے ایک روح ہے جو بھٹک رہی تھی اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے کیونکہ علمی پیاس ایسی پیاس ہے کہ جتنا اس علم کا پانی پیو پیاس بجھتی ہی نہیں بلکہ اور بڑھتی جاتی ہے جس طرح استاد علم تقسیم کرتا ہے اور اس کا علم بڑھتا چلا جاتا ہے اسی طرح طالبِ علم جیسے جیسے علم حاصل کرتا جاتا ہے اسکی پیاس بجھتی ہی نہیں بلکہ تشنگی بڑھتی جاتی ہے۔ مگر چند روز سے جب میں نے علاّمہ ضمیر اختر صاحب (کے علم کے سمندر) کی ایک مجلس سُنی تو یوں محسوس ہوا کہ ان کے علمی سمندر میں سے ایک قطرہ روح میں اُترا اور علم کی تلاش میں بھٹکتی روح کو پیاس بجھنے کا احساس ہوا مگر پھر تشنگی اور بڑھ گئی اس طرح ہر مجلس ضمیر صاحب کے علمی سمندر سے قطرہ قطرہ کر کے روح میں اترتی ہے۔ یہی ضمیر صاحب کے علم کی معراج ہے کہ ان کا علم ہماری روح میں اترا اور علم کے ہزاروں بام کھُل گئے میں نے ضمیر صاحب کے علم کو ضمیر صاحب کا علمی سمندر اس لئے لکھا کہ تمام کائنات کے علمی سمندر کے مالک علی ابنِ ابیطالبؑ ہیں جن کے سمندر کے ایک ایک قطرے سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ کو علم عطا ہوا، جن کے شاگردوں میں جبرئیل جیسا فرشتہ شامل ہے، مگر ذاکرِ حسینؑ کو یہ رُتبہ حاصل ہے کہ وہ انبیاؑ نہیں ہے، فرشتہ نہیں ہے مگر پھر بھی بابِ مدینۃ العلم سے علم حاصل کر رہا ہے، اور ہمارے لئے یہی ناز کی بات ہے کہ ہم ذاکرِ حسینؑ (علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب) کے علمی سمندر سے قطرے حاصل کر کے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں چنانچہ اس لحاظ سے ضمیر صاحب استاد ہیں اور ہم سامعین شاگرد یعنی طالبِ علم ہیں۔

علامہ صاحب کی ہر مجلس باطل کے لئے ایک تلوار کی حیثیت رکھتی ہے ان کی تقریر باطل کے اوپر ایک ضرب کی طرح پڑتی ہے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ علامہ ضمیر اختر صاحب حق کی تلوار ہیں تو ہم سامعینِ مجلس بھی علم حاصل کر کے ایسی ہی تلواریں بن جائیں اور باطل پر ایسی کاری ضرب لگائیں کہ اس کا نام و نشان نہ رہے۔

میری دعا ہے کہ علامہ ضمیر صاحب اسی طرح علم کے موتی لٹاتے رہیں اور ان کے علم کا خزانہ بڑھتا رہے آخر میں علامہ ضمیر صاحب اور مومنین و مومنات سے گذارش ہے کہ وہ میرے لئے یہ دعا کریں:۔

اللہ مجھے حق کی تو تلوار بنا دے
جو درسِ نبیؐ دے وہی گفتار بنا دے
دے اتنی فضیلت کہ میں بیٹھوں سرِ منبر
ہاں ذاکرۂ شاہِ دل افگار بنا دے

سیّد حسین حیدر

ایک ذاکر

لائبریری ایک عام لفظ ہے اس سے طالب علم اچھی طرح واقف ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں علم وادب، شاعری، تاریخ، فلسفہ، سائنس اور طب کے علاوہ علم حیاتیات اور حیوانات پر بے شمار کتب پائی جاتی ہیں۔ لائبریری میں ایک کتاب ہوتی ہے اس کو انسائیکلوپیڈیا کہا جاتا ہے اس میں تمام دنیاوی مضامین اور معلومات پائی جاتی ہیں اگر کسی شخص کی معلومات بہت زیادہ ہو تو اس کو انسائیکلوپیڈیا سے تشبیہ دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ڈاکٹر ضمیر اختر صاحب کی مجالس کو اگر کوئی انسائیکلوپیڈیا سے تشبیہ دے تو یہ نہ انصافی ہو گی میرے خیال میں تو آپ ایک مجسم لائبریری ہیں آپ کی تقاریر قرآن، احادیث، ادب، شاعری، فلسفہ اور تاریخ کے علاوہ علم حیاتیات اور حیوانات کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ اگر یہ مجلسیں نہ ہوتیں تو ضمیر صاحب کے جوہر نہ کھلتے۔ آپ ولائے آل محمدؐ سے لبریز ایک سدا بہار اور شعلہ بیان مقرر ہیں چار دھائیوں سے آپ کی تقاریر کا ڈنکا بجا ہوا ہے اس لمبے دورانیئے میں بے شمار ذاکر آئے اور چلے گئے مگر کوئی بھی آپ کی حد کو نہ پاسکا آپ کا انداز سادہ، پر اثر اور مسحور کن ہے تقریر کے دوران سامع اتنا محو ہو جاتا ہے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہتا۔

میں ضمیر اختر صاحب کو ایک عرصہ سے سن رہا ہوں۔ ان کی تقریر سے ایک روحانی سکون ملتا ہے آپ میرے واحد پسندیدہ ذاکر ہیں۔ وقت اور حالات کا کچھ پتا نہیں کئی مرتبہ چاہا کہ اپنے سوئم اور چالیسویں کی مجلس اپنے سامنے ہی پڑھوالوں لیکن میری بیوی نے ایسا ہونے نہیں دیا اس نے کہا کہ میں جیتے جی آپ کو نہیں مار سکتی۔ میری اس لگن اور محبت اور عقیدت کو دیکھ کر میری بیوی نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ میری سوئم اور چالیسویں کی مجلس ذاکر ضمیر اختر سے

ہی پڑھوائی جائیں گی۔ (انشاء اللہ)

مجلس کے دوران مہذب انداز میں دشمنانِ اہلبیتؑ کے بخیئے ادھیڑنا تو کوئی ڈاکٹر ضمیر اختر سے سیکھے۔ مشکل سے مشکل منزل سے آسانی سے گزر جاتے ہیں تہذیب کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

میں نے ڈاکٹر ضمیر اختر صاحب کو لائبریری سے تشبیہ دی ہے۔ کراچی میں اسٹیٹ بینک، کے۔ ایم۔ سی۔ اور لیاقت نیشنل لائبریری قابلِ ذکر ہیں مگران میں ضمیر لائبریری افضل ہے یہ تینوں لائبریریاں بے جان ہیں مردہ ہیں مگر ضمیر لائبریری تو بولتی ہے، باتیں کرتی ہے بلکہ بات سے بات پیدا کرتی ہے، موشگافیاں کرتی ہے، حسن سلوک اور محبت و خلوص کا درس دیتی ہے، محبت کے پھول نچھاور کرتی ہے بھلا ضمیر لائبریری کا ان تین لائبریریوں سے کیا مقابلہ۔

ضمیر لائبریری رائٹر بھی ہے اجی ہاں رائٹر! بھئی جب چل پھر سکتی ہے، بات کر سکتی ہے، شعلہ بیانی کر سکتی ہے، پان کی گلوریاں کھا سکتی ہے تو پھر لکھ کیوں نہیں سکتی یہ لائبریری لکھتی ہے اور خوب لکھتی ہے ان کی تازہ کتاب "جعفر طیارؑ" آپ کی تحریر کی منہ بولتی تصویر ہے ان محفلوں کو جاری و ساری رکھنے کے لئے آیئے دعا کریں کہ ؎

یہ سلامت رہیں ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

سیّد افتخار حیدر نقوی (ماڑیہ اسکوائر)
(کاروانِ درودِ محمدؐ و آلِ محمدؐ)

سچّی خطابت

برِّ صغیر کے نامور فلاحی و علمی شخصیت اور اعلیٰ خطیب کے بارے میں لکھنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں علاّمہ صاحب کے بارے میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں مگر ابھی مختصراً تحریر کر رہا ہوں علاّمہ صاحب باوقار، باادب، خوش اخلاق اور امن پسند خطیب ہیں جو صحیح معنوں میں منبر رسولؐ کا استعمال اور اصل حقیقت فضائل و مصائب اہلبیتؑ بیان کرتے ہیں علاّمہ صاحب اکثر و بیشتر قوم کی بہتری کے لئے تجویزات اور علمی مشورے بھی پیش کرتے ہیں جو بہت اہم اور مفید ہوتے ہیں اور فروغ عزاداری کے لئے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں علاّمہ صاحب صحیح معنوں میں حقیقت و سچائی کے ساتھ دینی دنیاوی اور شرعی معاملات سے آگاہ کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس ماحول حالات اور گھما گھمی کے دور میں جرأت کمال کے ساتھ ذکر فضائل و مصائب اہلبیتؑ حقیقت اور سچائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو ان ہی کا حوصلہ ہے کہ کسی بھی قسم کے حالات میں آپ مجالس میں شریک ہوتے ہیں اور اپنے فن خطابت کے ذریعہ ہم تک اصل حقیقت فضائل و مصائب اہلبیتؑ پہنچاتے ہیں ہم علاّمہ صاحب پر فخر کرتے ہیں اس دور میں ہمارے پاس ایسا خطیب موجود ہے علاّمہ صاحب واحد خطیب ہیں جو کھل کر حقیقت و سچائی بیان کرتے ہیں اور ان کی صداقت کی وجہ سے ان کے دشمن اور مخالف افراد ان کو بدنام اور غلط قسم کے پروپیگنڈے کرتے پھرتے ہیں لیکن کیونکہ علاّمہ صاحب کی سچائی اہلبیتؑ کی اصل فضیلت بیان کرنا ہے اور حق کو حق ثابت کروانا ہے اس

لئے ان کا ہمیشہ حق نے ہی ساتھ دیا اور جو ان کے دشمن ہیں چاہے اپنے ہوں یا پرائے وہ حقیقت میں اہلبیتؑ کے دشمن ہیں اور ہمیشہ ذلیل و خوار ہی نظر آتے ہیں علاّمہ صاحب کو خدائے لم یزل کی جانب سے بہت عزت و شہرت اور علم عطا ہوا ہے اور میں دعا گو ہوں علاّمہ صاحب ہمیشہ خوش و خرم رہیں اور کوئی غم نہ ملے سوائے غم حسینؑ کے اور ان کے علم میں بے حد اضافہ ہو اور خدا ان کو قوت اور حوصلہ عطا کرے کہ یہ اسی طرح ذکر اہلبیتؑ کرتے رہیں اور سچائی اور حقیقت کو عام کریں۔

میثم حسین نقوی (صحافی)

محترم ضمیر اختر نقوی کی شخصیت

محترم ضمیر اختر کے بارے میں کیا لکھوں کیا نہ لکھوں وہ اتنے گوناں گوں خوبیوں اور خداداد صلاحیتوں کے حامل انسان ہیں کہ مجھ جیسا کم علم رکھنے والا انسان اِن کی مسحور کن بلکہ میں یہ کہوں گا کہ پراسرار شخصیت کے کن پہلوؤں کا ذکر کرے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ اگر منبر پر سامعین سے خطاب کر رہے ہیں تو سامعین ان کے خطاب اور ان کے علم کی داد جھوم جھوم کر دے رہے ہیں وہ اگر کسی بھی موضوع پر سامعین سے خطاب کر رہے ہیں تو ان کے تمام چھپے اور ظاہری پہلوؤں پر اپنی لازوال اور دل پر نقش ہونے والے حصوں کو سامعین کو بتا کر داد تحسین حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے محض اپنے آپ کو روشناس کرانے کے لئے پنجتن پاک علیہم السلام کو خلق کیا اللہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا اس نے ارادہ کیا اور پھر اپنی شناخت اِن پاک ہستیوں سے کرائی اپنی تخلیقات میں جہاں اس نے پوری کائنات میں اَن گنت خوبصورت اور شاہکار چیزوں کو خلق کیا وہیں اس نے اپنے ایسے چند انسانوں کو بھی خلق کیا جن کی خلقت پر اسے بڑا ناز اور فخر رہا اِن ہی چند انسانوں میں ایک محترم ضمیر اختر صاحب بھی ہیں یہ اللہ کی عطا ہیں اللہ نے ان کے وجود میں وہ تمام علوم سمو دیئے ہیں جن سے ہم و مومنین مجالس عزا میں محظوظ ہوتے رہتے ہیں محترم ضمیر اختر صاحب کو خدا نے اپنی لازوال صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ ایک ہی وقت میں بہترین خطیب، فلاسفر اور مرثیہ گو شاعر اسلامی تاریخ پر گہری دسترس اور قرآن کے معنی و مطالب پر مکمل عبور اور ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہترین اور نفیس انسان اور بے

خوف نڈر اور اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر سختی سے کاربند اور اپنے اعلیٰ بلند مرتبہ با اخلاق و مروّت اور اپنے آباء و اجداد کی تہذیبوں کا مرقع ان کی خاندانی روایات پر اپنی زندگی گزارنے والے انسان ہمارے لئے باعث افتخار اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں جب محترم ضمیر اختر صاحب کی تقاریر ہوتی ہیں تو سامعین کو طرح طرح کی خفیہ اور لاثانی معلومات کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کسی بھی موضوع پر بول رہے ہوتے ہیں تو اس کی تہہ کے اندر جاکر سامعین کو وہ تمام ترقیمتی معلومات سے آگاہ کرادیتے ہیں اور مجالس میں بیٹھے ہوئے سامعین وہاں سے وہ آسان اور کارآمد علم لے کر اٹھتے ہیں اور ان کے حق میں دل سے دعائیں دیتے ہیں کہ ان مجالس کے صدقے میں ان کے علم میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے میں نے ان کی مجالس کی مختلف عشرے کی مجلسیں سنیں ہیں میں نے ان کی کسی بھی تقریر میں کبھی بھی جھول یا موضوع سے ہٹ کر یا کہی ہوئی باتوں کو دوبارہ پھر سے اپنی تقریر میں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ابھی اسی امام بارگاہ کی ایک تقریر میں انھوں نے کہا کہ مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں درود پر تقریر کروں جب کہ میں نے اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کی ہے لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے شاہکار اور عظیم شخص کی مدد کی چونکہ اس نے ان پر اپنی خاص عنایت اور کرم کی بارش کی تھی تو اس کے کرم کا ابر برسا اور خوب برسا اور اس موضوع پر اس طرح جامع تقریر کی کہ سامعین جھوم جھوم اٹھے اور خوب واہ واہ ہوئی اس کے ساتھ ہی لوگوں نے ضمیر اختر صاحب کے بتائے ہوئے عمل کو بھی ذہن نشین کر لیا میں نے بھی ان کے بتائے ہوئے درود کے فضائل پر عمل کرنا شروع کر دیا اس روحانی اور بابرکت مجلس میں لوگوں نے انھیں ڈھیر ساری دعائیں دیں میں اپنی تمام عبادتوں میں جناب ضمیر اختر صاحب کے لئے صمیم قلب اور نہایت ہی خلوص سے اللہ کے حضور اُن کی درازی عمر اور اُن کے علوم میں ترقی اور دنیا میں عزت اور لافانی شہرت پانے کی دعائیں کرتا ہوں اور اپنی پوری زندگی میں یہ فرض پوری تندہی سے ادا کرتا رہوں گا پروردگار چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سائے تلے ضمیر اختر صاحب کی تمام زندگی نہایت آرام و آسائش سے گزار دے۔ (آمین ثم آمین)

سیّد عدنان حیدر جعفری (بفرزون)

ضمیرِ خطابت

ملّت جعفریہ نے ہر دور میں ایسے گراں قدر اسکالرز پیدا کئے ہیں جن کی خدمات کا زمانہ معترف ہے۔ محمدؐ وآل محمدؐ کے در سے علوم کے جو سرچشمے پھوٹے اس نے بہت سے پیاسوں کو سیراب کیا اور وہ تاقیامت سیراب ہوتے رہیں گے۔ ان ہی چشموں میں سے ایک ضمیر اختر نقوی مدظلہ' کی ذات گرامی ہے۔ علاّمہ صاحب کی شخصیت مذہبی حوالے کے ساتھ ساتھ ادبی حوالے سے بھی جانی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کی ذات دوسرے اسکالرز سے ممتاز ہے۔ علاّمہ صاحب تقریباً چالیس سال سے مومنین میں اپنے علوم کے ذخائر بانٹ رہے ہیں۔ آپ کے زیرِسایہ ادارہ "مرکزِ علومِ اسلامیہ" مذہب اہلبیتؑ کی عرصۂ دراز سے خدمت کررہا ہے۔ اس ادارہ کے فعالیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پاک وہند کے علاوہ امریکہ، یورپ اور دیگر ممالک میں بھی اس ادارے نے مذہب اہلبیتؑ کو فروغ دیا ہے۔ ایک اور ادارہ "محسنہ میموریل فاؤنڈیشن" جو آپ کی والدہ گرامی کے نام سے منسوب ہے، آپ کی نگرانی میں فرائض انجام دے رہا ہے۔

آپ کا شیعہ قوم پر ایک احسان یہ ہے کہ آپ نے اس قوم میں میر انیسؔ کی اہمیت کا احساس دلایا۔ ان کی مرثیہ نگاری کو جس کی قدرومنزلت دن بدن کم ہوتی جارہی تھی دوبارہ سے اجاگر کیا۔ علاّمہ صاحب نے میر انیسؔ پر جتنا کام کیا ہے آج تک کسی نے نہیں کیا۔

علاّمہ صاحب نے کراچی میں تقریباً تیس سال سے مجالس و محافل کا ایک مسلسل سلسلہ قائم کیا ہوا ہے۔ خاص طور پر رمضان المبارک میں تفسیر قرآن کا سلسلہ اپنی نوعیت کا ایک

منفرد سلسلہ ہے۔اس سلسلہ میں قرآنی آیات کی تفاسیر کے علاوہ مخصوص تاریخوں کے حوالے سے مجالس کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔وہ موضوعات جن کا تذکرہ ہماری مجالس میں اتنا زیادہ شدت سے نہیں کیا جاتا وہ بھی ان مجالس میں موضوعِ بحث ہوتی ہیں مثلاً بی بی خدیجۃ الکبریٰؑ، حضرت فاطمہ بنتِ اسدؑ، ابو الآئمہ حضرت ابو طالبؑ، تاریخ نجفِ اشرف، سیرت عباسؑ، میر انیسؔ کی مرثیہ نگاری، قرآن میں اللہ کی مخلوقات وغیرہ۔

علاّمہ صاحب اپنے اندازِ خطابت میں بھی منفرد ہیں۔آپ نے منبر پر ہمیشہ حق بات کہنے کو ترجیح دی ہے جو اس منبر کی پہچان ہے۔ان کی ہر مجلس کا موضوع مخصوص تاریخوں کے مطابق ہوتا ہے۔سوز خوانی سے لے کر مجلس کے آخر تک آپ کی مجلس کا ایک ہی موضوع ہوتا ہے۔منبر پر جلوہ افروز ہونے کے بعد آپ کی پوری توجہ اپنے موضوع اور سامع پر ہوتی ہے۔ آپ کی مجلس میں علوم کے اتنے گوہر لٹائے جاتے ہیں کہ سامع تھوڑی سی دیر کی بھی غفلت کو اپنی بدقسمتی تصور کرتا ہے۔آپ منبر سے ہمیشہ ان موضوعات کو زیرِ بحث لاتے ہیں جن کا عموماً تذکرہ نہیں کیا جاتا۔آپ کی تقاریر میں یکسانیت نہیں ہوتی بلکہ موضوعات میں جدّت آپ کی انفرادیت ہے۔آپ کو اپنے سامع پر پورا کنٹرول حاصل ہوتا ہے۔آپ آہستہ آہستہ سامع کی سماعتوں سے قریب سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔جب آپ فضائل بیان کر رہے ہوتے ہیں تو فضائل کا جاہ وجلال آپ کے چہرہ پر نمایاں ہو جاتا ہے۔مصائب آلِ محمدؐ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سننے والے کی نظر میں کربلا کا پورا منظر آجاتا ہے۔مجلس کے دوران سننے والے کو وقت کا بالکل بھی احساس نہیں ہو پاتا۔آپ کی خطابت، کلامِ حق ہوتی ہے جو باطل کے لئے کڑوا گھونٹ ثابت ہوتی ہے۔

ہماری ملّت نے اس ملک و قوم کو علم کے ایسے ہی بیش بہا خزانوں سے نوازا ہے۔ لیکن اس قوم نے ماضی کی طرح آج بھی ان جیسے سچے موتیوں کی کوئی قدر نہیں کی ہے۔اس قوم کو ایسے جواہر کی قدر کرنی چاہئے۔اس سلسلے میں میری ایک چھوٹی سی گزارش ہے کہ "مرکز علوم اسلامیہ" نے جہاں اتنی کاوشیں کی ہیں، وہاں اسے رمضان کے علاوہ بھی ایسے مسلسل ہفتہ وار یا ماہانہ پروگرام کا اہتمام کرانا چاہئے۔تاکہ مومنین علاّمہ صاحب سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکیں۔کیونکہ رمضان میں موضوعات بھی مخصوص ہوتے ہیں اس لئے مومنین صحیح طور سے

استفادہ نہیں کرپاتے۔ اس لئے ادارے کو چاہئے کہ وہ مومنین کی تشنگئ علم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مختلف نوعیت کی محافل کا اہتمام بھی کرے۔

باری تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ محمدؐ و آل محمدؐ کے طفیل علاّمہ صاحب کے علم میں مزید اضافہ فرمائے اور ان کا سایہ ملّتِ جعفریہ پر قائم و دائم رکھے۔

سیّد نیر عباس نقوی

فنِ خطابت

حدیث نبویؐ ہے :

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"

"علم حاصل کرو ماں کی گود سے قبر کی لحد تک"

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے"

"علم حاصل کرو چاہے نجف جانا پڑے"

مذہب حقہ کی تاریخ ۱۴۲۰ برس پرانی ہے اور مکمل تاریخ میں علم کی فضیلت پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ علم، غور و فکر اور تحقیق کی طرف راغب کیا گیا ہے۔ مومن وہی ہے جو سنِ شعور میں داخل ہونے کے بعد سے علم کی جستجو کرے اور اس کی اشاعت کی طرف بھی متوجہ رہے اور لوگوں میں علم پھیلانے کا ذریعہ بنے۔

واقعۂ کربلا کے بعد شیعانِ حیدرؑ کرار نے آئمہ علیہم السلام کی اسی سیرت پر عمل پیرا ہونے کی کوششیں کیں، اور مذہب حقہ کی طرف لوگوں کو راغب کیا۔ اس کے لئے سب سے بہترین وسیلہ منبر ثابت ہوا۔ مساجد پر بنو امیہ اور بنو عباس قبضہ جما چکے تھے اور حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ پر سب و شتم کا سلسلہ زور و شور کے ساتھ جاری تھا۔ دنیا دار انسان و مسلمان اس پروپیگنڈہ کا شکار ہوا مگر اہل شعور افراد اس سے متنفر تھے۔ ان کی نظر آئمۂ طاہرین علیہم السلام اور ان کے بعد اُن کے نائبین کی جانب تھیں۔ اسی لئے مجالسِ سیّد الشہداء ترویج دین اور حقانیت شناسی کا نہایت مستند ذریعہ ثابت ہوئیں۔ لہٰذا محبانِ سیّد الشہداء نے بھی پوری ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کئے۔ علامہ سیّد شریف رضی نے پہلی مستند کاوش کی اور حضرت علیؑ

کے خطبات یکجا کیے تاکہ عوام الناس ان سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ حضرت فرزدق جنھوں نے چھ آئمہ علیہم السلام کی محفل میں شرکت کرنے اور پھر اُن کی تعلیمات کو پھیلانے میں نہایت مؤثر کردار ادا کیا۔ یہ سلسلہ کافی طول اختیار کرتا ہوا برِصغیر پاک وہند تک پہنچ گیا۔ جہاں شیعان حیدرؑ کرار ایک نئے رنگ میں نظر آتے ہیں۔ علاّمہ سبط حسن۔ علاّمہ کلبِ حسین، علاّمہ نجم الحسن کراروی، علاّمہ کلبِ عابد ایسے نام ہیں جو برصغیر پاک وہند کے علاوہ دنیا بھر میں علم اور شیعانِ علیؑ کی پہچان بنے۔

موجودہ دور میں شیعان علیؑ کی خواہش رہی کہ ان جیسے نامور اور مستند علاّمہ حضرات کو سنا جائے اور ان علماء کرام کی فصاحت وبلاغت سے استفادہ کیا جائے۔ لہٰذا منبر پر موجود علماء کرام اور خطیب حضرات پر نظر ڈالی گئی اور ان کی مجالس سنی گئیں۔ کچھ افراد نے متاثر کیا اور کچھ نے حقیقتاً اپنا فرض ادا کیا۔ ان میں علاّمہ حافظ کفایت حسین، علاّمہ اسمٰعیل دیوبندی، علاّمہ بشیر ٹیکسلا، علاّمہ سیّد اظہر حسن زیدی صاحب نے منبر کی لاج رکھی اور عوام کو علم پہنچایا۔ آج ایک نام جو وردِ زباں ہے کہ جس نے ان تمام افراد علاّمہ حضرات، خطباء کے علم کی جھلک دکھائی اور فصاحت وبلاغت، علمیت میں اپنا لوہا منوایا وہ نام علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب کا ہے۔

علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی نے مجالس سے خطاب دس برس کی عمر سے شروع کیا۔ میں نے علاّمہ کی مجالس ۱۹۸۰ء سے سماعت کرنی شروع کیں اور اس کے بعد میری کوشش یہ ہی رہی کہ علاّمہ جہاں خطاب فرما رہے ہوں میں وہاں ضرور پہنچ جاؤں اور ان کے علم سے استفادہ کرسکوں۔

میں نے اوپر جتنی گفتگو کی ہے اور جن حضرات کا تذکرہ کیا ہے وہ تمام ایسی باتیں اور نام ہیں جو کہ عوام میں موضوعِ گفتگو رہتے ہیں اور جب بھی کوئی علمی بحث ہوتی ہے اُن کا ذکرِ خیر ضرور ہوتا ہے اور حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ میں نے بھی ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی تقاریر سُنیں اور غور کیا کہ چاہے کوئی بھی موضوع ہو اور مجمع کسی بھی نوعیت کا ہو علاّمہ نے کبھی تشنگی کا پہلو نہیں چھوڑا اور سامع کو بہترین تقریر اور حوضِ علم سے رسیلا جام پینے کا ملا۔ یہی بات ایک مجلس کی مقبولیت بنتی ہے۔ مجھے ان حالات کا اور واقعات کا بھی مشاہدہ

کرنے کا موقع ملا جب کئی علماء کرام منبر کی طرف رخ کرنے سے پرہیز کرنے لگے اور ڈرنے لگے کہ مخصوص گروہ ان کی بے عزتی نہ کر دے۔ مگر میں نے علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کو ان نامساعد حالات میں بھی مجالس پڑھتے اور سچی گفتگو فرماتے ہوئے دیکھا اور بلا کسی خوف و خطر کے ان پہلوؤں پر بھی گفتگو کی جو کوئی دوسرا ان کا ذکر کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ ان واقعات نے ان کے مخالفین پیدا کیئے اور علامہ کے خلاف بہت نامناسب باتیں بھی کی گئیں مگر لوگوں نے اور وقت نے دیکھا کہ علامہ نے کسی کے ڈر خوف کی وجہ سے اپنا راستہ تبدیل نہیں کیا اور حق سچ بات وہ جس طرح پہلے کہتے تھے اب بھی کہتے ہیں۔ لوگوں کو توقع تھی کہ ان کے سامعین کی تعداد کم ہو جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔

علامہ سے زیادہ تاریخ پر مستند ترین گفتگو کسی ذاکر سے سننے میں نہیں آئی۔ اتنی مفصل اور جامع حقائق کا احاطہ ایک نہایت دشوار اور تحقیق طلب کام ہے جو کہ علامہ نے نہایت جانفشانی سے انجام دیا۔ تاریخ اسلام کا کوئی بھی پہلو اِن کی دسترس سے باہر نہیں۔ اسی طرح اردو اور فارسی شاعری کا باب ہے جس پر علامہ مدلل گفتگو فرماتے ہیں۔ مرثیہ، منقبت، نوحہ تمام اصناف پر علامہ نے جامع اور مکمل حوالہ جات کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے۔ میر انیس، مرزا دبیر، جوش ملیح آبادی، مومن خان مومن، غالب، میر تقی میر، علامہ اقبال، دولہا صاحب عروج، استاد قمر جلالوی، نسیم امروہوی آپ نام لیتے جایئے اور علامہ سے ان کی شاعری کے ہر پہلو سے شناسائی حاصل کرتے جایئے۔ میں نے بی بی حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا پر علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کا تصنیف کیا ہوا مرثیہ بھی ان ہی کی زبانی سنا جو کسی بھی پہلو سے تشنگی کا تاثر نہیں دیتا۔ یہ وصف بہت کم اور چیدہ چیدہ افراد میں پایا جاتا ہے۔

فضائل و مصائبِ اہلبیت اطہار علیہم السلام پر علامہ کی تقریر صاف و شفاف رواں دواں دریائے بے کراں کی مانند ہے کہ سنتے جایئے اور اپنی علم کی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ روح کی تسکین کا سامان بھی کرتے جایئے۔ فضائل و مصائب آلِ نبیؐ علیہم السلام کا ہر گوشہ علامہ کا موضوع گفتگو رہا ہے اور انھوں نے نہایت مؤثر اور جامع تقاریر فرمائی ہیں۔ میں خاص طور پر مسئلہءِ زنجیر و قمہ زنی کا ذکر کروں گا کیونکہ بحیثیت ایک عزادار سیّد الشہداء میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس پر بات کروں۔ کیونکہ حبِ آل نبیؐ اور غم آل نبیؐ سے بڑھ کر کائنات میں کچھ بھی

نہیں۔اس مسئلہ کا جس طرح احاطہ اور حل علاّمہ صاحب نے پیش کیا اور فتویٰ کو غلط ثابت کیا وہ تاریخ کا حصہ ہے اور مجھ جیسے بے شمار مومنوں عزاداروں اور محبانِ آلِ نبیؐ و شہدائے کربلاؑ کی دعاؤں کے حق دار بنے۔اس کا صحیح اجر تو صرف اور صرف آئمہ طاہرینؑ و آلِ نبیؐ علیہم السلام دیں گے۔ہم صرف ان کے لئے کلمۂ خیر اور دعائے خیر کر سکتے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علاّمہ کو حیات دراز عطا فرمائے اور ان کو صحت و تندرستی عطا فرمائے تاکہ ہم ان کے علم سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ آمین

نہیں۔ اس مسئلہ کا جس طرح احاطہ اور حل علاّمہ صاحب نے پیش کیا اور فتویٰ کو غلط ثابت کیا وہ تاریخ کا حصہ ہے اور مجھ جیسے بے شمار مومنوں عزاداروں اور محبانِ آل نبیؐ و شہدائے کربلاؑ کی دعاؤں کے حق دار ہے۔ اس کا صحیح اجر تو صرف اور صرف آئمہ طاہرینؑ و آلِ نبیؐ علیہم السلام دیں گے۔ ہم صرف ان کے لئے کلمۂ خیر اور دعائے خیر کر سکتے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علاّمہ کو حیات دراز عطا فرمائے اور ان کو صحت و تندرستی عطا فرمائے تاکہ ہم ان کے علم سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ آمین

ثروت عسکری زیدی

"قال اللّٰہ سبحانہ تعالیٰ فی کتابہٖ المجید و فرقانہ
الحمید اِن اللّٰہ اصطفیٰ آدمَ و نوحاً و آلَ ابراھیم و
آل عمران علی العالمین ہ"

"ابتدائے کلام میں تمام تر حمد و ثنا اس خدائے علیم و حکیم کو زیبا ہے جس نے انسانِ ضعیف البیان کو اپنی علم و حکمت کے زیور سے آراستہ کیا اور جسے قوت گویائی عطا کی اور اسے اشرف المخلوقات قرار دیا اور تمام تر درود و سلام اس ہستی پر جو کہ باعث ایجادِ عالم و آدم ہیں اور فخرِ انبیاء و مرسلین ہیں یعنی احمدِ مجتبیٰ، محمدِ مصطفیٰؐ اور ہزاروں سلام ہمارا امام المتقین، سید الوصیّین، قاتلِ کفار و مشرکین اسد اللہ الغالب، مطلوبِ کل طالب امام المشارق والمغارب علی ابنِ ابی طالبؑ پر۔"

آغاز کلام میں میرا جی چاہتا ہے کہ خلقتِ انسان کے بارے میں خالقِ انسان کا ارشاد گرامی تحریر کروں۔

"الرحمٰن o علّم القرآن o خلق الانسان o علمہُ البیان o"

پروردگار عالم نے خلقتِ انسان سے قبل اسے قرآن کا علم عطا فرمایا اور صرف علم عطا نہیں کیا بلکہ اسے بیان کی قوت اور طاقت عطا فرمائی بے شک محمدؐ و آل محمدؐ سے بڑھ کر علم قرآن بھلا کس کے پاس ہوگا اور یہی ہستیاں زمانے میں وارث قرآن اور محافظ قرآن قرار پائیں اور بے شک لائق تعریف و تحسین ہیں وہ لوگ جو کہ ذکر آل محمدؐ کرتے ہیں اور ذکر اہلبیتؑ کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیتے ہیں ان کا سونا بھی عبادت ان کا جاگنا بھی عبادت کہ جب زبان پر

صرف اور صرف ذکرِ اہلبیتؑ ہو ذاکرِ اہلبیتؑ کے مرتبہ اور مقام سے کون واقف نہیں اور بقول میر انیسؔ ؎

پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

جب وراثتاً یہ سلسلہ جاری و ساری ہو تو خطابت کا نکھار کچھ اور ہی ہوتا ہے کہ جیسے علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی تقاریر میں الفاظ کے جلال و جمال کا اک عجب جلترنگ ہے یہ وہ آہنگ ہے جو مسلسل شب و روز کی محنت، کوشش اور مطالعہ کی عرق ریزی سے پیدا ہوتا ہے اور ساتھ میں کمال کا حافظہ، دلنشین انداز اور آواز جو سیدھے دل میں اتر جائے اور زبان پہ جب "علی" کا نام ہو تو بقول شاعر کہ ؎

تو میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

آپ کی تقاریر میں روایت بھی ہے اور علامت بھی آپ کی تقاریر کا ایک تحقیقی مزاج ہے اور دوسرے ذاکرین سے جداگانہ رنگِ خطابت ہے آپ کے سامعین کو آپ کی مجالس میں روحانی، ایمانی اور فکری آسودگی ملتی ہے آپ کی مجالس کے موضوعات میں بڑی ندرت ہوتی ہے اور تقریر میں موضوع سے پورا انصاف ہوتا ہے اور ہر چیز کی مکمل سند ہوتی ہے اور بیان اس قدر بھرپور کہ ایک مجلس میں دوسروں کے یہاں کے پورے عشرے کا مواد ہوتا ہے اور درحقیقت سامعین کی تمنا بھی یہی ہوتی ہے کہ جو بھی فرشِ حسینؑ پر آئے وہ کچھ نہ کچھ لے کر اُٹھے اور تشنگی باقی نہ رہے۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی خطابت کا سب سے بہترین پہلو آپ کی ریسرچ ہے۔ بات جب تک پوری تحقیق سے نہ کی جائے وہ سننے والے کے دل میں گھر نہیں کرتی اور سنی سنائی بات کا اتنا اثر ہوتا بھی نہیں۔ علاّمہ نقوی گذشتہ کئی برسوں سے ماہِ رمضان المبارک میں تفسیر قرآن کر رہے ہیں اور عوام الناس میں قرآن فہمی اور قرآن شناسی کا شوق پیدا کر رہے ہیں اور اپنی تقاریر میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن درحقیقت ذکرِ آلِ محمدؐ ہے اور رواں ماہِ رمضان میں یعنی ۲۰۰۰-۱۹۹۹ء میں آیت جو میں نے آغاز میں رقم کی وہ علاّمہ صاحب کا سرنامۂ کلام تھا اور بالخصوص ۱۷ رمضان، ۱۹ رمضان، ۲۱ رمضان کی تقاریر شاہکار حیثیت رکھتی ہیں۔ ضمیر اختر نقوی صاحب کی خطابت کا سب سے اہم پہلو آن کی خود اعتمادی ہے۔ یہ وہی خود اعتمادی ہے جو

منصور کو انا الحق کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ آپ کی گفتگو میں بے ساختہ سادگی ہے اور اندازِ بیاں شائستہ، شگفتہ اور سادہ ہے آپ تفسیر تاریخ اور حدیث کا مدبّرانہ شعور رکھتے ہیں جو کہ آپ کی تقاریر میں صاف نظر آتا ہے۔

مجھے علاّمہ ضمیر اختر نقوی سے ایک شکایت ہے کہ آپ جتنا تحقیقی مواد اپنی مجالس میں سامعین کو دیتے ہیں اس کو تحریری صورت میں بھی آنا چاہئے تاکہ آنے والے نئے ذاکرین اور وہ سامعین جو چاہنے کے باوجود مجبوری کے باعث مجلس میں نہیں پہنچ پاتے مستفید ہوں۔ بے شک علیؑ ابن ابی طالبؑ کا تذکرہ ہماری شہ رگِ حیات ہے اور نقوی صاحب نے ۲۱ رمضان کی مجلس میں محبانِ علیؑ سے جو ذکرِ علیؑ کی گواہی مانگی بے شک ہم محبانِ علیؑ ایک دوسرے کے شاہد بھی ہیں اور مشہود بھی یہاں اور میدان محشر میں بھی جب تک زندگی رہے گی یا علیؑ یا علیؑ کہتے رہیں گے۔

"علیؑ کا ذکر ہی ثروت مری عبادت ہے"
ہے میرا عجز وسیلہ مری جزا کے لئے

سیّد عدنان حسین رضوی (انچولی)

عظیم مفکر

ایک عظیم مفکر، ایک جوہر عجیب، ایک معجزۂ مسلسل، بحرِ علم، مودت کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زن، درِ علیؑ کا موالی، درِ علیؑ سے علم کی سوغات پانے والا، جس کے لئے کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے اور سورج بھی وہ جو علیؑ کے فیض کی روشنی سے جگمگا رہا ہو۔ میں نے لفظ علم سے آشنائی حاصل کی یا یوں کہنا چاہیۓ کہ علم کا صحیح معنوں میں ادراک ہوا علاّمہ صاحب کو پاکر۔ علاّمہ موصوف معرفت کے انتہائی اعلیٰ درجے پر فائض ہیں۔ اور یہ بھی معرفت کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ معرفت کے انتہائی پیچیدہ بھیدوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ قوم بھی معرفت کی اعلیٰ منزلوں پر فائز رہے۔

دنیا میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک وہ جو جہل پر فائز ہوتے ہیں، یعنی اکثریت جاہل ہے۔ اور ایک وہ جو علم کو تو پاتے ہیں مگر خالی، علاّمہ صاحب کا کمال ہے کہ علم کو بعنوان علیؑ لیتے ہیں۔ دنیا نے علم کو خالی لیا تو صرف کیا پر آ کر ختم ہو گیا، یعنی دنیا یہ جان سکی کہ "یہ کیا ہے"، "یہ کیوں ہے" اس کی بحث اس وقت ممکن ہے جب علم کا عنوان علیؑ ہو۔ علاّمہ صاحب کیوں سے بحث کرتے ہیں ان کے یہاں کیوں کا جواب ہے، یعنی دنیا کے پاس علم کی انتہا کیا تک ہے اور علاّمہ صاحب اس سے آگے کی منزل کیوں پر عبور رکھتے ہیں۔ یہ درِ علیؑ سے متمسک رہنے کی بدولت اور علم کا فیض علیؑ سے حاصل کرنے کی بدولت ہے۔

علاّمہ صاحب پر تنقید جو لوگ کرتے ہیں وہ دراصل سطحی نوعیت کی ہوتی ہے، اور ان کے علاوہ ان کے اپنے ہم عصر تمام عالموں پر کی جاتی ہے۔ جو کہ ذاتی نوعیت کی بھی ہوتی ہے یعنی جن کا دارومدار عمل پر ہوتا ہے۔ جب کہ عمل کی کسوٹی پر صرف خدا اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کو حق حاصل ہے کہ وہ پرکھیں۔ عام انسان نہیں جو کہ خود غیر معصوم ہیں۔ اس لئے ان پر تنقید بلا

سیّد علی مظفر (سعید آباد)

ڈاکٹر ضمیر اختر کی خطابت

ماجد بھائی نے دو موضوعات پر گفتگو کا موقع دیا تو میں نے اس میں سے دوسرے موضوع کا انتخاب کیا یعنی ڈاکٹر ضمیر اختر صاحب کی خطابت مگر شخصیت کے حوالے سے میں ایک شعر ضرور کہوں گا کہ ؎

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہو جائے وہ لوگ
آپ نے دیکھے نہ ہوں گے ہاں مگر ہوتے تو ہیں

میں اس وقت خطابت سے متعلق جو کہوں گا وہ کوئی قصیدہ گوئی نہیں ہے بلکہ میرے وہ خیالات واحساسات ہیں جو میری قوت مشاہدہ نے ان مجلسوں سے اخذ کئے ہیں۔ مولانا صاحب کی مجلس کے انداز خطابت کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ شعر سماعت کیجئے گا کہ ؎

جوہر علم، ہر جگہ، ہر دم نہیں پاتے
انہیں سن کر کہیں، کیا کیا یہاں ہم نہیں پاتے
فضائل میں بھی بھر آتیں ہیں فخر سے آنکھیں
مصائب میں بھی اشک ہمارے تھم نہیں پاتے
مانا کہ خطیب بہت ہیں اس شہر خطابت میں
مگر اس منفرد انداز کا ہم نہیں پاتے
فضائل کے سمندر موجزن ہیں ان کے سینے میں
پاؤں منبر پر کسی اور کے پھر جم نہیں پاتے

میرا تعلق درس و تدریس کے شعبے سے ہے اور میں نے مولانا صاحب کی ہر مجلس میں ایک طالب علم کی حیثیت سے شرکت کی لہٰذا اہم نکات تحریر کئے اور جب کبھی انہیں دوبارہ گھر جا کر پڑھا تو مجلس کا سماں بندھ جاتا ہے۔ مولانا صاحب کا انداز خطابت نہایت منفرد ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ خصوصاً آیات والفاظ کی تشریح خوبصورت ظاہری اور معنوی طور پر کرتے ہیں۔ مثالیں، واقعات، حکایات اور بر وقت شاعری نہایت لاجواب ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر محبت اور مودت کا فرق۔ لفظِ م کا فلسفہ وغیرہ۔

میں، میرا گھر اور دوست احباب گذشتہ سال کے رمضان سے مولانا صاحب کو سن رہے ہیں ہم کوشش کرتے ہیں کہ مولانا صاحب کی ہر مجلس میں شرکت کریں مگر ہم سے اگر کبھی Miss ہو جائیں تو لگتا ہے کہ جیسے کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہو۔ ہماری رہائش جنت البقیع قبرستان، حب ریور روڈ کے پاس ہے مگر ہمیں سفر کے وقت کا احساس نہیں رہتا۔ تحقیق و تجدید سے بھرپور خطاب معرفت کی اس منزل تک لے جاتی ہے جہاں سے ہر شے نہایت واضح نظر آتی ہے اور ان احکام کو جب عملی طور پر ادا کرتے ہیں تو بے انتہا روحانی کیف حاصل ہوتی ہے۔

گذشتہ محرم میں مولانا صاحب نے ۴ عشرے مختلف جگہ پر پڑھے تو لگتا تھا کہ یہ ۴۰ تقریریں نہیں بلکہ ۴۰ کتابیں ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ ہر تقریر میں کئی فکریں قبلہ بیان کرتے ہیں اور ہر فکر سے ایک نئے Subject کا آغاز ہوتا ہے لہٰذا یہ کتابیں نہیں بلکہ مولانا صاحب اپنی ذات میں ایک مکمل کتب خانہ ہیں۔ مولانا صاحب نے اپنی زندگی ذکر محمدؐ و آلِ محمدؐ سے منسوب کر دی ہے لہٰذا میرے شعر مولانا صاحب کی زندگی کے بارے میں ہیں کہ ؎

جو بھی گذاری خوب گذاری ہے زندگی
سونے سے مہنگی وقت پہ بھاری ہے زندگی
منسوب چونکہ زندگی ہے اُن کے نام سے
بس اِس لئے تو جان سے پیاری ہے زندگی

مس راضیہ عسکری (انچولی)

علاّمہ ضمیر اختر نقوی تاریخ ساز شخصیت

"تمام حمد، تعریف، ثنا، عبادت اور سجدہ اطاعت اللہ تعالیٰ کے لئے۔ تمام درود و سلام اس ذات پاک مصطفیٰ پر، ایسے ہی کروڑوں، اربوں درود و سلام محمد مصطفیٰ کی آلِ پاک پر جس کی ادائیگی میں خداوند کریم ہمارے ساتھ شامل ہوتا ہے جن پر درود بھیجے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی"

(بقول علاّمہ ضمیر اختر نقوی)

ملت جعفریہ کے نامور سپوت علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی خطابت اور شخصیت پر کچھ لکھنا ایسا ہی ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔ آپ کا شمار ایشیا کے بلند پایا خطیب اور تاریخ ساز ذاکرینِ حسینؑ میں ہوتا ہے۔ سارا ایشیا آپ کی گرجدار آواز اور منطقی استدلال اور اچھوتی فکر سے چھلک رہا ہے۔ ہم شیعان حیدرؑ کرار کو اس پر فخر ہے کہ یہ بے پناہ معروف خطیب اپنی تقریر کا لوہا منوانے کے ساتھ ساتھ شہسوار قلم و قرطاس بھی ہے۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کو ان کی فکر و ذکر کے اس حوالے سے پہچانا جاتا ہے جو اپنی تلخیص میں نقطہ بائے بسم اللہ اور تفصیل میں شاخ سناں سے تلاوت کلام اللہ ہیں۔ علاّمہ حق کی تلقین اور صبر کی بے پناہ قوت کے نقیب ہیں بحیثیت خطیب وہ اپنے اسلوب کے خالق ہیں ان کے لفظیات کا ذخیرہ ان کا اپنا ہے ان کی خطابت تقلیدی نہیں تائیدی ہے۔

علاّمہ صاحب کے لئے میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتی ہوں:

جو آنکھ سورج کو دیکھ لیتی ہے اسے چاند ستارے مدھم مدھم نظر آتے ہیں دنیائے خطابت اور ملک فصاحت و بلاغت کے اس درخشندہ و تابندہ سورج کو جب میں نے دیکھا اور پہلی بار سنا تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کہہ رہے ہوں ۔

جو دکھائی دے میں وہ نور ہوں
جو سنائی دے میں وہ ساز ہوں

وہ سراپا آواز ہیں اور مجسم تصویر خطابت ہیں وہ بارش نہیں کہ برسے اور کیچڑ بن جائے بلکہ وہ ایک سمندر ہے گہرا عمیق بے انت و بے کنار سمندر۔

علاّمہ مفسر، محدّث، مؤرّخ، مبصر، دانشور اور فلاسفر ہیں ان کے یہاں لفظ ریشم ریشم جیسے نرم ہوتے ہیں جو امن کی قوس و قزح بنتے اور ترانے ترتیب دیتے ہیں ان کے منھ سے نکلے ہوئے الفاظ سانس لیتے اور بولتے نظر آتے ہیں آواز میں وہ گونج ہے کہ جب وہ ہم کلام ہوتے ہیں تو مجمع پر ایک سکوت طاری ہو جاتا ہے ؎

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی صلاحیت انسان میں قدرت کی طرف سے ایک ایسی "ارجمند ودیعت" ہے اور اس پر ایک گرانقدر انعام ہے جو ربِ نطق و لب نے سورہ رحمٰن میں نازل کیا ہے اور اسے اپنی ان نعمتوں میں سے قرار دیا ہے جن کو جھٹلانا انسان کے بس کی بات نہیں علم بیان ایسا علم ہے جو تمام علوم کے تعارف کا حیلہ اور ان علوم کہ تہہ تک پہنچنے کا وسیلہ بنتا ہے۔ اگر اس فلسفہ میں علاّمہ ضمیر اختر صاحب کو رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس گلستان کی سرزمین پر کوئی ان کا ہم پلہ نہیں ہے ان کی شخصیت پر کچھ لکھنا ہم انسانوں کے بس کی بات نہیں۔

جس طرح مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی سوچ اور نقطہ نظر مختلف ہوتا ہے اس طرح خطابت کے سلسلے میں بھی ہر خطیب آواز اور اسلوب کے اعتبار سے مختلف مزاج اور رائے کا حامل ہوتا ہے۔ براعظم ایشیا میں ضمیر اختر کا مقام ان سب میں نمایاں ہے انھوں نے خطابت کو محض وسیلہ رزق سمجھ کر اختیار نہیں کیا بلکہ انھوں نے خطابت کو علم کا رزق جانا اور اسے اپنی قوم میں بانٹ رہے ہیں ان کی رگ و پے میں خطابت کی موج رواں دواں ہے۔

علاّمہ ضمیر اختر اپنی دھن کے پکے اور قول کے سچے ہیں فصاحت و بلاغت میں ان کا

کوئی ثانی نہیں ہے ان کے یہاں اردو کا جو ذخیرہ ملتا ہے وہ کہیں اور ملنا ناممکن ہے۔

تاریخ کا یہ سپوت جو ایشیا میں پل کر جوان ہوا خدا ان کو نظرِ بد سے بچائے (آمین)
انھیں طولِ حیات چہاردہ معصومینؑ کے صدقے میں عطا کرے۔ (آمین)

میں اپنے مضمون کا اختتام علّامہ اقبالؔ کے اس شعر سے کرتی ہوں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

میں نے علّامہ ضمیر اختر نقوی کی شان میں ایک نظم لکھی ہے اگر قبول ہو تو میری عزّت افزائی ہوگی ؎

اللہ نے دیئے ہیں اسباب زندگی کے
ضمیر اختر نے سکھائے آداب زندگی کے
ذات ضمیر گر مہرباں نہ ہوتی
حاصل کبھی نہ ہوتے علم کے خزانے
تسکینِ جاں بنی تھیں یادِ ضمیر اختر
جب بند ہو رہے تھے سب علم کے دروازے
وہ تو کہیں قسمت لے آئی ان کے در پر
قصّے کس سے سنتے انبیاء اور آئمہؑ کے
تاریخ میں نہیں ہے جن کا جواب راضیؔ
وہ فیصلے کیئے ہیں نایاب زندگی کے

سیّد حسن رضا نقوی (انچولی)

ضمیر اختر نقوی کی خطابت اور شخصیت

کسی بھی تاریخ کی عظیم شخصیت کے لئے اس کے کردار کی آئینہ گری ایسے جملوں میں کی جاتی ہے کہ سننے اور پڑھنے والا خواہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو وہ جملے اس کے قلب و ذہن پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔

ہمارے عہد کے عہد ساز شخصیت الحاج ڈاکٹر اسکالر قبلہ و کعبہ ضمیر اختر نقوی صاحب جو کہ اس دور کے موجودہ دنیا کے عظیم خطیب اور حق گوئی، حق پرستی اور حق کا راستہ دکھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اس کی ایک ادنیٰ مثال آپ کی خطابت کی چند مثالیں دے کر کوشش کروں گا کہ مجھ جیسا کم علم آدمی کچھ ہلکی سی روشنی ڈال سکے۔

تاریخ پاکستان اور اپنے عہد کے ۳۶ برسوں کے دوران سیکڑوں خطیبوں کو سنا جس میں بڑے بڑے نام شامل ہیں لیکن علاّمہ ضمیر اختر نے محمدؐ و آل محمدؐ کے منبر سے جو وفاداری نبھائی اور نبھا رہے ہیں وہ میری ناقص رائے میں اب تک موجودہ دور کے کسی خطیب نے نہیں نبھائی۔ باغ فدک پر اگر دس تقاریر کریں تو ہر تقریر کا عنوان الگ دے کر ایسے جملوں کے خزانے کہ سننے والے دو گھنٹے کی تقریر کو بھی دو منٹ کی سمجھتے ہوئے تشنہ رہ جائیں۔ تسبیح فاطمہؑ پر اگر ایک تقریر کریں تو پوری تاریخ ایسی بیان کریں کہ منظر کشی میں سننے والا اتنا گم ہو جائے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ خود یہ منظر دیکھ رہا ہے۔ پچاس سال کے عرصے میں کسی خطیب نے نہ تو تسبیح فاطمہؑ کی تفصیل بیان کی اور نہ وہ منظر کشی کی جو الحاج ضمیر اختر نقوی نے صرف ۹۰ منٹ کی تقریر میں پوری تاریخ تسبیح فاطمہؑ سامعین کو اتنی آسان الفاظ میں دے دی کہ پانچ سال کا بچہ بھی تسبیح فاطمہؑ کی تفصیل بیان کر سکے۔ عنوانات کا ایسا ذخیرہ اور اتنا سہل و آسان کے

سیدحسن رضا نقوی (انچولی)

ضمیر اختر نقوی کی خطابت اور شخصیت

کسی بھی تاریخ کی عظیم شخصیت کے لئے اس کے کردار کی آئینہ گری ایسے جملوں میں کی جاتی ہے کہ سننے اور پڑھنے والا خواہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو وہ جملے اس کے قلب وذہن پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔

ہمارے عہد کے عہد ساز شخصیت الحاج ڈاکٹر اسکالر قبلہ وکعبہ ضمیر اختر نقوی صاحب جو کہ اس دور کے موجودہ دنیا کے عظیم خطیب اور حق گوئی، حق پرستی اور حق کا راستہ دکھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اس کی ایک ادنیٰ مثال آپ کی خطابت کی چند مثالیں دے کر کوشش کروں گا کہ مجھ جیسا کم علم آدمی کچھ ہلکی سی روشنی ڈال سکے۔

تاریخ پاکستان اور اپنے عہد کے ۳۶ برسوں کے دوران سیکڑوں خطیبوں کو سنا جس میں بڑے بڑے نام شامل ہیں لیکن علاّمہ ضمیر اختر نے محمدؐ و آل محمدؐ کے منبر سے جو وفاداری نبھائی اور نبھار ہے ہیں وہ میری ناقص رائے میں اب تک موجودہ دور کے کسی خطیب نے نہیں نبھائی۔باغ فدک پر اگر دس تقاریر کریں تو ہر تقریر کا عنوان الگ دے کر ایسے جملوں کے خزانے کہ سننے والے دو گھنٹے کی تقریر کو بھی دو منٹ کی سمجھتے ہوئے تشنہ رہ جائیں۔ تسبیح فاطمہؑ پر اگر ایک تقریر کریں تو پوری تاریخ ایسی بیان کریں کہ منظر کشی میں سننے والا اتنا گم ہو جائے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ خود یہ منظر دیکھ رہا ہے۔پچاس سال کے عرصے میں کسی خطیب نے نہ تو تسبیح فاطمہؑ کی تفصیل بیان کی اور نہ وہ منظر کشی کی جو الحاج ضمیر اختر نقوی نے صرف ۹۰ منٹ کی تقریر میں پوری تاریخ تسبیح فاطمہؑ سامعین کو اتنی آسان الفاظ میں دے دی کہ پانچ سال کا بچہ بھی تسبیح فاطمہؑ کی تفصیل بیان کر سکے۔ عنوانات کا ایسا ذخیرہ اور اتنا سہل و آسان کے

سننے اور پڑھنے والا یہ سمجھ سکے کہ ہم نے اب تک جو سنا اور پڑھا وہ اب ضمیر اختر نقوی سے سننے لگے۔ جیسے ایک عشرے کا عنوان تھا "علیؑ میدان جنگ میں" اب جن لوگوں نے یہ عشرہ سنا ہو وہی جانتے ہیں کہ علیؑ میدان جنگ میں اب یہاں پھر وہی بات آجاتی ہے کہ اب تک جتنے بھی خطیبوں نے اگر اس عنوان کو چھیڑا ہوگا تو خیبر و خندق کی جنگوں کی منظر کشی اس سے آگے نہیں بڑھتی کہ خیبر کا دروازہ دو انگلیوں سے علیؑ نے کیسے اکھاڑا اور مرحب کو کیسے پچھاڑا۔ علاّمہ ضمیر اختر کا جو عنوان ہے "علیؑ میدان جنگ میں" اس عنوان میں وہ ساری منظر کشی اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ علیؑ میدان جنگ میں ایک سپاہی کے ساتھ ساتھ ایک منصف ایک غازی ایک مقرر اور ایک سخی۔ علیؑ میدان جنگ میں عنوان ایک اور پانچ عنوانات کا سیر حاصل خزانہ اپنے سننے والوں کو فراہم کرتے ہیں یہ معمولی سی مثال ایک عنوان کی عرض ہے جیسا کہ میں نے کہا ایک عنوان کے تحت پانچ پہلوؤں پر سیر حاصل اپنے سامع کو اتنا جواز دے دیتے ہیں کہ اب ان کا سامع اگر اس نے علیؑ میدان جنگ میں عشرہ سنا ہے تو اس کے پاس اتنا وافر ذخیرہ ہے کہ الگ الگ ان کے سامع سے گفتگو کی جائے تو جناب حضرت علیؑ کے ایک سپاہی کا ایک منصف کا ایک غازی کا اور ایک مقرّر کا اور ایک سخی کا پورا میٹر اس سہل انداز میں اس کے ہاتھ آجائے گا کہ ان کا سامع بھی ان عنوانات کے تحت کئی مجالس پڑھ سکتا ہے اگر ایک مجلس تخت سلیمانؑ کے بارے میں سن لے تو تخت سلیمانؑ اس کو ماچس کی برابر نظر آئے مجھ جیسا گونگا بہرا آدمی بھی ایک دم بول اٹھے۔

میں تخت سلیمان کو کیا نظر میں لاؤں
دیکھا ہے میں نے تخت غدیر اور دوشِ نبیؐ کا

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا کہ حق گوئی و حق پرستی اور حق کا راستہ دکھانے میں علاّمہ ضمیر اختر اس عہد میں اپنا ثانی نہیں رکھتے جو لوگ حق پر ہوتے ہیں وہ حق سننا چاہتے ہیں وہ حق پر چلنے والا رہبر چاہتے ہیں۔ حق پرست حاکم چاہتے ہیں اور جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا کہ علاّمہ ضمیر اختر حق گوئی، حق پرستی اور حق کا راستہ دکھانے والے رہبر ہیں۔ ابھی میں ایک مثال پیش کر چکا ہوں کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر گفتگو ہر شخص اور ہر مقرر کر لیتا ہے مگر ضمیر اختر نقوی صاحب کی حق گوئی یہ ہے کہ جو ذخیرہ ان کے پاس ہوتا ہے وہ اپنے سامع کو دینے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔

سامع کی زحمت کی وجہ سے وہ معلومات سمیٹ لیتے ہیں لیکن عقل سے کام نہیں لیتے۔ یہ حق گوئی کا ہلکا سا اشارہ ہے۔ حق کا راستہ جو آئمہ نے ہمیں دکھایا اور جس پر ہمارے مذہب کی بنیاد ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ منبر رسولؐ پر جو مقرر بیٹھ جائے اور اس سے یہ کہا جائے کہ اس موضوع پر گفتگو کی جائے علاّمہ ضمیر اختر اکثر و بیشتر اس سچویشن (Situation) سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ۱۹۹۸ء میں مارٹن روڈ امام بارگاہ میں عنوان قرآن اور اہل بیتؑ عشرہ محرم پڑھ رہے تھے صغیر حسین جعفری جو کہ وہاں کے ٹرسٹی ہیں انہوں نے تاریخ عزاداری کا موضوع سننے کی خواہش کی۔ علاّمہ ضمیر اختر نے حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک عزاداری کی تاریخ ایک مجلس میں بیان کر دی اور یہ ہی نہیں پورا ایک عشرہ ڈرگ روڈ میں تاریخ عزاداری کے عنوان سے پڑھ کر محمدؐ و آل محمدؐ کے منبر کا حق ادا کر دیا۔ یہ خدمات علاّمہ ضمیر اختر اس صدی کے اسلام پسند، اسلام دوست اور نوجوانوں کے لئے اسلام کی درس گاہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ چند اشارے ہیں جو ان کے حق پسندی، حق گوئی اور حق کا راستہ دکھانے کے لئے میرے جیسا کم علم آدمی بیان نہیں کر سکتا ہے۔ قبلہ و کعبہ کی شخصیت کے لئے تو کئی کتابیں لکھی جائیں تو کم ہیں۔ آخر میں یہی دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو عمر دراز عطا فرمائے تاکہ ہم اور آنے والی نسلیں ان سے فیض یاب ہو سکیں۔ آمین۔

سیّد رضی حیدر زیدی (ایف سی ایریا)

الہامی خطابت

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور درودو سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے۔

ماجد رضا عابدی صاحب کا وہ اعلان میرے لئے بڑا باعث مسرت ہوا جس میں علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے بارے میں اظہار خیال کا کہا گیا جہاں تک علاّمہ سیّد ضمیر اختر صاحب کے علم کا سوال ہے تو ان کے پاس لازوال علم ہے، علم کا ایک وسیع خزانہ ہے نہ صرف خزانہ بلکہ پوری یونیورسٹی ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا لکھوں اور کیا چھوڑوں سب کچھ لکھنے کے بعد بھی ان کے علم کا حق تو کیا ان کی صرف ایک تقریر کا حق ادا نہیں ہو سکتا ویسے بھی یہ میری پہلی کوشش ہے علاّمہ صاحب کی تقریریں اس قدر دلچسپ اور معلوماتی ہوتی ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ وہ بولتے رہیں اور میں سنتا رہوں اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا میری خواہش ہے کہ میں علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب کی بزم میں بیٹھوں اور اُن کی خدمت کروں۔

علاّمہ صاحب کی مجالس بڑی پُر نور ہوتی ہیں مجھے یقین ہے کہ اگر میرا ظاہر و باطن بالکل پاک ہو جائے تو مجھے بھی آئمہ معصومینؑ کی زیارت ہو گی بلکہ کبھی کبھی مجھے بھی محسوس ہوتا ہے اور

خوشبو آتی ہے۔ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی کی مجالس الہامی ہوتی ہیں۔ آئمہ معصومینؑ خود علاّمہ صاحب کو بتاتے ہیں جس کا ثبوت ان کی تقریر میں منظر کشی کرنا، نقشہ کھینچنا، ولادت وشہادت کی صحیح تاریخوں کا تعین وغیرہ جس قدر پلاننگ اور تیاری کے ساتھ علاّمہ صاحب اپنے پروگراموں کو سجاتے اور ترتیب دیتے ہیں آج تک نہ کوئی کر سکا ہے نہ کوئی کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور شاید نہ کوئی کر سکے گا۔ ان کی کتابوں کی لائبریری اور وڈیو آڈیو کیسٹ کی لائبریری سے مزید آنے والی صدیوں میں مومنین فیض یاب ہوتے رہیں گے وقت کی کمی کے باعث میں اپنا مضمون مکمل نہیں کر سکا لیکن آخر میں، میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی کو اپنا علمی مرشد مانتا ہوں اور دعا گو ہوں اللہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے میں علاّمہ صاحب کو عمر خضر عطا فرمائے ان کے علم میں مزید اضافہ فرمائے میں مرتے دم تک ان کی مجلس سنتا رہوں۔
(آمین)

سیّد عمران رضا کاظمی

مولانا ضمیر اختر نقوی کی خطابت

خطابت مجموعہ ہے شخصیت، علم، اور انداز بیان کا اور کسی کی خطابت کو اس کی شخصیت سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور نہ صرف خطیب کی شخصیت بلکہ سامعین کی شخصیت پر بھی خطیب کی شخصیت کا اثر پڑتا ہے جو کہ ایک قدرتی عمل ہے۔ علاّمہ صاحب کی خطابت بھی ان کی شخصیت، علم اور انداز بیان کا مجموعہ ہے۔ جو کہ پاکستان بھر میں منفرد ہے جس کا اعتراف نہ صرف پاکستان بھر میں کیا گیا ہے بلکہ عالمی سطح پر بھی کیا گیا ہے۔

میں بھی علاّمہ صاحب کی مجالس پچھلے تقریباً ۱۵، ۲۰ سال سے سن رہا ہوں، اور آج بھی مجھ کو ان کی ہر مجلس منفرد نظر آتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اتنے عرصے کے بعد بھی میں ان کی مجالس اسی شوق سے سنتا ہوں جیسے بچپن میں سنتا تھا، اور یہ بات مجھ کو دوسرے ذاکرین میں نظر نہیں آئی، یہ ہی وجہ ہے کہ اگر ہم نے علاّمہ صاحب سے جنگ خیبر دس دفعہ بھی سنی ہے تو ہر دفعہ ایک نیا زاویہ پایا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے پاس جو بھی دینی علم ہے اس میں سے بڑا حصہ میں نے ان کی مجالس سے حاصل کیا ہے، جس کی بنیاد پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں نہ صرف دوسرے فقہ کے لوگوں سے گفتگو کر سکتا ہوں بلکہ غیر مسلموں سے بھی گفتگو کرنے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔ ویسے تو میں نے قرآن شریف میں سے اکثر اہم سورتوں کی تفاسیر اور ان کے معنی پڑھیں ہیں اور اس کے علاوہ آئمہ معصومینؑ کی مختصر سوانح حیات بھی پڑھیں ہیں لیکن ایک تاریخ دان اور محقق کی زبان سے جس ترتیب سے واقعات سنے ہیں اسی سے وہ تشنگی ختم ہو گئی ہے جو نامکمل یا ادھورے واقعات اور روایات سن کر ہوئی تھی۔ مثال کے طور پر:

۱۔ موسیٰ بن نصیر کا نصیری بننے کا واقعہ۔
۲۔ دعائے آدمؑ میں جو محمدؐ اور محمود ہے اس کا فرق۔اس طرح علیؑ اور اعلیٰ کا فرق۔
۳۔ خیبر اور حبشہ برابر ہیں۔
۴۔ ولادت امام حسنؑ سورۂ کوثر کے حوالے سے۔
۵۔ آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ۔
۶۔ درود کی تعریف اور اس کے فوائد۔

مختصر یہ کہہ سکتے ہیں کہ معرفت الٰہی اور معرفت محمدؐ اور آل محمدؐ اور ان کی عصمت کو سمجھنے میں مجھ کو علاّمہ صاحب کی تفاسیر اور مجالس سے بڑی مدد ملی ہے، اور یہی محبت اور مودت کا تقاضہ ہے کہ ہم اہلبیت رسولؐ کا صحیح مقام سمجھیں۔ میری یہ دعا ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں علاّمہ صاحب کی مجالس سنتے رہیں، اور ہماری آنے والی نسلیں بھی ان کی تقاریر کی آڈیو، وڈیو کیسٹوں اور کتابوں سے مستفید ہوں۔ (آمین)

سیّد محمد علی (گلشن اقبال)

خطیب اعظم

خطیب اعظم، ادیب اعظم، محققِ اعظم جناب علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب قبلہ بظاہر تو یہ ایک شخصیت کا نام ہے مگر جو دینی، ادبی، علمی، تخلیقی اور تحقیقی کام کوئی ادارہ یا کئی ادارے مل کر انجام دیتے ہیں وہ تن تنہا علاّمہ صاحب انجام دے رہے ہیں۔ علاّمہ صاحب کی شخصیت کے متعلق کچھ کہنا میرے ایسے کم علم کے بس کی بات نہیں یہ تو اہل علم اور دانشوروں کا فرض ہے کہ وہ آپ پر ریسرچ کریں۔ میں تو حسینؑ کا عزادار ہونے کے ناطے "ذاکر حسینؑ" کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ہم جس نئی صدی بلکہ ملینیم میں داخل ہوئے ہیں وہ جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی کا عہد ہے۔ جدید الیکٹرانک میڈیا کی ہم پر چاروں طرف سے یلغار ہے جو بڑی کامیابی سے ہماری تہذیب، ثقافت، مذہب حتیٰ کہ ہماری عزاداری کی جڑیں کاٹ رہا ہے، اور اس کے سامنے سب بے بس نظر آرہے ہیں اس کا توڑ کسی کے پاس نہیں ہے۔ مگر مجھے یہ کہتے ہوئے بڑا اطمینان ہوتا ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسا ہتھیار ہے جس نے اس جدید فتنہ کا سر کچل دیا ہے اس سپر کا نام ہے علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی خطابت، جس نے ہمارے گرد مودّت کا اک ایسا حصار کھینچ دیا ہے جو ہمیں صراطِ مستقیم سے ہٹنے نہیں دیتا۔ یزیدیت لاکھ کوشش کرے، وہ اس حصار سے ٹکرا کر اپنا سر تو پھوڑ سکتی ہے مگر اسے توڑ نہیں سکتی ہے۔

علاّمہ صاحب جب تقریر کر رہے ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ولائے علیؑ کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور علاّمہ صاحب اس میں سے موتی چن چن کر مجلس میں لٹا رہے ہیں۔ وہ کم

سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ Matter سامعین کے ذہنوں تک پہنچانا چاہتے ہیں اس لئے شروع میں عربی خطبہ اور طویل و مشکل تمہید سے گریز کرتے ہیں۔

علامہ صاحب کی تقریروں میں یوں تو تمام علوم اور افکار کا تذکرہ ہوتا ہے مگر تین اذکار ان کے ہر خطاب میں ضرور شامل ہوتے ہیں:

۱. فضائل محمدؐ و آل محمدؐ خصوصاً مولا علیؑ کے فضائل جس انداز میں بیان کرتے ہیں اسے سن کر بے اختیار "حب علیؑ" آنکھوں سے چھلک پڑتی ہے اور دل میں چھپا ہوا "نصیری" انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔

۲. مصائب اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے سب کچھ نظروں کے سامنے ہو رہا ہے۔ پتھر سے پتھر دل بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۳. تیسری اور اہم بات جو کسی دوسرے خطیب یا ذاکر کے یہاں نہیں ملتی وہ ہے سامعین سے محبت اور اُن کی حوصلہ افزائی۔ آپ خصوصاً عزاداروں کو ان کا مقام یاد دلاتے ہیں اور گریہ کی اہمیت اس انداز سے اجاگر کرتے ہیں کہ عزاداروں کا سر غرور سے بلند ہو جاتا ہے۔ آپ نوجوانوں کو مجلس کے آداب سکھاتے ہیں۔ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کو بے شمار دعائیں دیتے ہیں اصلاح کے لئے کبھی کبھار ڈانٹ بھی دیتے ہیں۔

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے گذشتہ سال ۱۹۹۹ء میں علامہ صاحب کی تقریباً ۱۵۰ تقریریں سنی ہیں۔ مگر کبھی یہ نہیں ہوا کہ علامہ صاحب نے کوئی تقریر Repeat کی ہو۔ تقریر دہرانا تو دور کی بات ہے آپ نے جو جملہ اور نکتہ ایک مرتبہ بیان کر دیا اسے دوبارہ کبھی Repeat نہیں کیا۔ یہ خصوصیت علامہ صاحب کو ہی حاصل ہے کہ آپ کی ہر تقریر نئی ہوتی ہے۔ اگر ۱۰۰ تقریریں ایک موضوع اور عنوان پر کرنی ہوں تو آپ ہر تقریر نئے انداز سے کریں گے۔ نئے استدلال اتنی روانی سے دیتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی طرحی محفل میں "انیس و دبیر" کسی مصرعہ پر گرہ پر گرہ لگا رہے ہیں۔ اگر آپ کو خطابت کا "میر انیس" کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

ایک خصوصی خداداد صلاحیت جس کی علاّمہ صاحب نے خوب حفاظت کی ہے وہ علاّمہ صاحب کی دلکش آواز ہے، خدا اسے نظر بد سے بچائے۔ علاّمہ صاحب کو آواز پر مکمل کنٹرول حاصل ہے اور آپ جس انداز سے اس کے اتار چڑھاؤ کو استعمال کرتے ہیں وہ ان کی خطابت کی جان ہے۔

آخر میں، میں صرف اتنا کہوں گا کہ علاّمہ ضمیر اختر کی خطابت ہم عزاداروں کے لئے بی بیؑ کا بے بہا عطیہ ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ جو کوئی علاّمہ صاحب کی تقریریں سنے وہ بے اختیار پکار اٹھے گا "خطیب اعظم"۔

سیّد قمر عباس جعفری

علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی شخصیت

علاّمہ صاحب کی شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی۔ علاّمہ صاحب علم کی اس منزلت پر فائز ہیں کہ جس کے بعد ان کو یونیورسٹی کا درجہ بھی دے دیا جائے تو بھی کم ہے۔ علاّمہ صاحب کے لہجہ کی فصاحت، جسمانی خدوخال اور انداز پیرہن میں لکھنؤ کی نزاکت و شرافت بدرجۂ اتم موجود ہے۔

علاّمہ صاحب کی خطابت

علاّمہ صاحب کی خطابت میں شیریں زبانی، الفاظ کی موزوں اور بروقت ادائیگی ان کے خطاب کو چار چاند لگاتی ہے۔ علاّمہ صاحب کا انداز تخاطب اتنا مؤثر اور جامع ہوتا ہے کہ سامع کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا اور سامعین کبھی بھی ان کی مجلس سے تشنہ نہیں اٹھے کیونکہ علاّمہ صاحب کی خطابت دراصل ان کے سامعین کیلئے خطاب نہیں بلکہ اس درس کی مانند ہوتی ہے جو کہ ایک استاد اپنے شاگردوں کو ذہن نشین کراتا ہے۔ علاّمہ صاحب بر سر منبر بطور استاد اپنے طالبانِ علم کیلئے اپنے علم کی روشنی ان کے ذہنوں میں اس طرح اتارتے ہیں اور ان کے دل و دماغ کو اس قدر روشن کر دیتے ہیں کہ پھر یہ روشنی کبھی اندھیرے میں نہیں بدلتی۔ اللہ تعالیٰ بہ تصدقِ پنجتن پاکؑ اور بطفیل آئمہ طاہرینؑ علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر طویل عطا فرمائے تاکہ ہم جیسے تشنگانِ علم اِن سے فیض حاصل کرتے رہیں۔ (آمین) ”یا علیؑ مدد“

ارتضٰی حسین (انچولی)

ضمیر اختر نقوی کی شخصیت اور خطابت

جناب علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی کی شخصیت اور خطابت نہ فرش پہ اور نہ ہی عرش کے سننے والوں کے لئے کسی تعارف کی محتاج ہے مگر پھر بھی اس اعتراف و تحسین کی محفل میں اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں!

"رسولؐ خدا نے کہا تھا کہ میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہیں"

علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی مسلسل خطابت اس دروازے تک پہنچنے والے تمام مومنین کے لئے ایک سفیر کی حیثیت رکھتی ہے یہ ایسے سفیر مسلسل ہیں جو سچائی کی شمع جلا کر چالیس برس سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں! خدا کے لئے اس نعمتِ معصومؑ کی قدر کریں اور اس علمی سرمائے کی حفاظت کریں تا کہ آپ کی نسلوں میں صحیح معاونتِ اہلبیتؑ کا علم اور اس کی روشنی پہنچ سکے۔

کہنے کو تو میں کچھ بہت کچھ علاّمہ صاحب کے لئے کہہ سکتا ہوں مگر دو باتیں ان کے اعتراف میں کہنا چاہتا ہوں :

خدا نے اکبر بادشاہ کو نو رتن دیئے تھے مگر آج پتہ چلتا ہے کہ شہزادیؑ نے ضمیر اختر نقوی کو سیکڑوں رتن آپ جیسے خوبصورت سامعین کی شکل میں دیئے ہیں اور دو رتنوں کا تو جواب نہیں ملتا ایک ماجد رضا عابدی اور دوسرے قائم رضا نقوی صاحب کا یہ دو رتن واقعی ضمیر اختر نقوی کے درِ نایاب ہیں خدا ان دونوں کو بھی زندگی اور بلند مرتبہ عطا کرے۔ (آمین)

اور دوسری بات یہ کہ ضمیر اختر نقوی کو انیسؔ لکھوں یا انیسؔ کو ضمیر اختر کی روح کہوں یہ بات میں آپ پر چھوڑتا ہوں اس شعر کے ساتھ ؎

ہاں بادہ کشو پوچھ لو مئے خانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ بریں سے

والدہ ذوالفقار علی، ذاکر حدیث کسا

میں آپ کی ایک ادنیٰ سی ناظر و سامع ہوں جو عرصۂ دراز سے آپ کے علم سے فیضیاب ہو رہی ہوں مگر میں اپنے جذبات کا اظہار الفاظ کی صورت میں نہیں کر سکتی میری خدا سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں دن دونی رات چوگنی ترقی فرمائے۔ (آمین)

میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں جیسے انسانوں کے آباؤ اجداد میں ہم حضرت آدمؑ کو باپ کہتے ہیں تو جنوں کے باپ کون ہیں؟

پورے رمضان اور شب قدر کی دعائیں آپ نے سمیٹ لی ہیں خدا میری عمر آپ کو عطا کرے۔

ماجد رضا عابدی میرے پسندیدہ مرثیہ خواں ہیں جن کو میری طرف سے بہت دعائیں کہئیے گا خدا ان کی عمر دراز کرے، (آمین)۔ ضمیر اختر اور ماجد کی آواز کو خدا سلامت رکھے۔ (آمین)

سیّد نظیر عباس نقوی

میرے محبوب خطیب حضرت سیّد ضمیر اختر صاحب قبلہ ہیں۔ میں ان کی مجلس محفل بڑی پابندی سے سن رہا ہوں۔ ان کی علمی قابلیت کو بہت ہی پسند کرتا ہوں۔ ان کے فن خطابت بقول میرے والد صاحب کے مولانا کلب حسین صاحب قبلہ اور حافظ کفایت حسین صاحب کی مجلسوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، اور مولانا صاحب کا فن خطابت ہر نوجوان کو پسند ہے حضرت علیؑ اور معصومینؑ کے فضائل بیان کرنے کا انداز بالکل اچھوتا ہے۔ تاریخ پر جتنی مولانا کی دسترس ہے اتنی آج تک کسی خطیب سے نہیں سنی۔ مصائب میں تو مولانا کا اندازِ تخاطب ہی بالکل اچھوتا ہے۔ اس پر برمحل میر انیسؔ کے مرثیوں کا سہارا لینا ان ہی کا حق ہے، اور تاریخ کا برمحل استعمال بھی مولانا کا حق ہے۔ مولانا ضمیر اختر صاحب کے فن خطابت کی تعریف ایک آدمی کے اختیار سے باہر ہے اس کا صلہ ان کو جناب سیدہؑ ہی دیں گی۔

عادل عباس

میں امام بارگاہ چہاردہ معصومین علیہم السلام میں رمضان میں ہونے والی تمام تقریروں میں شامل رہا ہوں میں نے مولانا ضمیر اختر نقوی صاحب کو ایک نہایت ہی اعلیٰ مقرر اور تمام علوم پر اِن کی مکمل دسترس رکھنے والا انسان پایا اِن کی تمام تقاریر علم کا خزانہ اور معلومات میں اضافے کی تقاریر تھیں میں نے اپنے حافظے میں بہت سی باتیں محفوظ کرلیں ہیں بس میرے دل سے اِن کے لئے پر خلوص دعائیں نکلتی ہیں۔

پروردگار اِن کے علم میں اضافہ کرے اور اِن کو نظر بد سے بچائے اور پنجتن پاکؑ کے سائے میں خوشگوار زندگی گزاریں۔

سیّد علی حیدر
(ایڈوکیٹ ہائی کورٹ)

پرکیف خطابت

ممتاز محقق و ادیب اعظم جناب ڈاکٹر علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی شیعہ قوم کے اہم ستون ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی علمی بصیرت تحریر و خطابت اپنی مثال آپ ہے۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی، قرآن فہمی، اردو ادب، فارسی تاریخ اسلام (اردو فارسی شاعری) پر خصوصی دسترس رکھتے ہیں۔ اور آپ کی تحقیق قابلِ ستائش ہے۔

علاّمہ ضمیر اختر نقوی سچے، کھرے، عاشق علیؑ ہیں جن کی خدمات سے پاکستان، ہندوستان، امریکہ، لندن، جرمنی و دیگر ممالک کے مومنین مستفید ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر علاّمہ ضمیر اختر نقوی کی خطابت میں ایک کیف ہوتا ہے۔ گویا الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہونے کے لئے قطار باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ جو کہ محمدؐ و آل محمدؐ کی خصوصی عطا ہے۔

فضائل اور مصائب اہلبیتؑ کے شہنشاہ ہیں۔ مخالفین بھی آپ کی شخصیت کا اعتراف کرتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقے میں ان کا سایہ شیعہ قوم پر قائم رکھے، اور انھیں عمر خضرؑ عطا فرمائے۔ آمین

شاہ زیب ضیغم عباس
(کم سن طالب علم)

آپ کی مجالس ہمارے لئے روشن چراغ ہیں۔ آپ کی مجلس میں ہمیں علم اور عَلَم نظر آتا ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

سیّد مظہر حیدر رضوی (طالب علم)

محترم علاّمہ صاحب کی تقریر ہم نے تیسری مرتبہ ۲ ر مضان کو سنی جس میں علاّمہ صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلو نظر آئے جس میں تقریر کا انداز یعنی لب و لہجہ اتنا منفرد پایا کہ ہم نے مختلف ذاکروں میں نہیں پایا۔ آپ کے انداز گفتگو سے متاثر ہو کر اب تک مسلسل تقاریر سن کر اپنے علمی ذوق کی تسکین کی جس میں ہمیں تاریخ کے بہت سے ایسے واقعات کا علم ہوا جو کہ اب تک کسی ذاکر سے نہیں سنے۔ اس تفسیر قرآن کے دوران جو تقاریر ہم سننے سے محروم رہے ان کا ہمیں بے حد افسوس رہے گا۔

حسن

ویسے تو میں نے مجلسوں سے بہت کچھ پایا ہے مگر میں نے آپ کی تقریر سے بہت کچھ حاصل کیا جناب میری دعا ہے کہ آپ ایسی بہت سی مجلسوں سے خطاب کرتے تھے کرتے ہیں اور تاحیات خطاب کرتے رہیں اور مجھ گناہگار کی بھی زندگی مولاؑ آپ کو عطا کرے اور صحت کاملہ دے۔ (آمین)

ہاں جناب ایک چھوٹا سا سوال ہے کہ کیا سیّد کی بیٹی غیر سیّد میں جا سکتی ہے۔ اگر نہیں تو کیوں اور ہاں تو اس کی تاریخ میں کوئی تاریخ ملتی ہے۔ یا آئمہ معصومؑ نے کچھ فرمایا ہے۔

عمران حیدر (ملیر)

''دوسرا ذاکر ہمیں پسند نہیں''

ہم نے ایک مجلسِ عزا کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو سوز خوانی کے لئے کئی نام ذہن میں آئے لیکن ہم نے حسبِ معمول ابن حسن کربلائی کو منتخب کیا۔ سلام کے لئے مظہر مصطفیٰ کو کہا۔ ذاکری کے لئے سب کی رائے سے علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب سے وعدہ لینے کا فیصلہ ہوا۔ علامہ ضمیر اختر صاحب ہی کے لئے زور دیا گیا کیونکہ عشرۂ اولیٰ میں امام بارگاہ دربارِ حسینی برف خانہ ملیر میں علامہ صاحب نے ہی خطاب فرمایا تھا، علامہ صاحب سے پہلے ہمارے پورے گھر کو سید عرفان حیدر عابدی کی خطابت پسند تھی علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی پہلی مجلس ہی اتنی شاندار اور پُر مغز تھی کہ دل باغ باغ ہو گیا اور ہم نے تمام کی تمام مجالس بڑے اشتیاق سے سُنیں حالانکہ مجلس کافی تاخیر سے شروع ہوئی تھی رات ساڑھے گیارہ بجے علامہ صاحب زیبِ منبر ہوتے تھے کیونکہ علامہ صاحب روزانہ دو تین مجالس پڑھ کر آتے تھے مگر اس وقت بھی سامعین کا جوش و خروش عروج پر ہوتا تھا اور علامہ صاحب نے آٹھ محرم کو میر انیسؔ کے کلام کے ذیل میں مجلس پڑھی اور مجلس اتنی شاندار اور علمیت کی معراج پر تھی کہ اٹھنے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا اور تمام سامعین چاہ رہے تھے کہ علامہ صاحب ایک دو گھنٹہ اور پڑھیں جبکہ رات کے ڈیڑھ بج چکے تھے۔ اُس مجلس کے بعد سے تو ہم علامہ صاحب کے اس قدر دیوانے ہو گئے تھے کوئی اور ذاکر ہمیں پسند ہی نہ آیا اس کی وجہ علامہ صاحب کی مجلس پڑھنے کا انداز تھا مجلس کو اس قدر آسان اور سہل بنا کر سامعین تک لانے کا فن ہر ذاکر کو نہیں آتا ہے اور اس کے بعد ہی ہم نے مجلس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح ہم نے علامہ

صاحب کوفون کر کے ملاقات کا وقت مانگا اور اس طرح علاّمہ صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی اور اُس دن کے بعد سے ہم علاّمہ صاحب کے دیوانے ہیں اور اب تک ہم نے علاّمہ صاحب کی لاتعداد مجالس سُنی ہیں اور اپنی علمی سطح کو وسعت دے چکے ہیں اور ایک بات جو سب سے اہم ہے علاّمہ صاحب ہمارے ماموں ہیں اور اب ہماری ملاقاتیں ہوجاتی ہیں اور ہم ہر ملاقات کے بعد اتنے خوش ہوتے ہیں کہ اس کی کوئی حد نہیں۔

''اس دور میں میر انیس پر علاّمہ صاحب سے زیادہ کسی بھی
شخص کو عبور نہیں۔ یہ ہمارا یقین ہے''۔

حضرت سخن فتح پوری

مثالِ چشمۂ زم زم

قلم کے نامور ضیغم ضمیر اختر ضمیر اختر
ہیں گویا پیکرِ انعم ضمیر اختر ضمیر اختر
حریمِ عِلم کے محرم ضمیر اختر ضمیر اختر
خطیبِ نیّرِ اعظم ضمیر اختر ضمیر اختر
کتب بنی بقا اُن کی کتب بنی غذا ان کی
بقا کی فکر میں ہر دم ضمیر اختر ضمیر اختر
انوکھی فکر سے مِلّت کو یہ سیراب کرتے ہیں
مثالِ چشمۂ زمزم ضمیر اختر ضمیر اختر
جو عالمِ ظاہری ہیں اور فطرت میں وہ بزدل ہیں
ہیں ان کے واسطے ضیغم ضمیر اختر ضمیر اختر

پروفیسر طہیر نفسی

قطعاتِ تحسین و آفرین، ارمغانِ اخلاص
نذرِ علّامہ ضمیر اختر

مولا علیؑ رسولؐ و آلِ رسولؐ کے مشکل کشا و پُشت پناہ وظہیر ہیں
کیا کیا ظہیر کے ہیں فضائل بیاں کیجئے بے شک ابوالبیان جنابِ ضمیر ہیں

منہ میں زباں ہے یا کہ کوئی خنجر و حسام زورِ کلام آپ پہ لاریب ہے تمام
صد مرحبا، صد آفریں علّامۂ ضمیر زیبا ہے آپ کو کہیں گر ہم ابوالکلام

علّامۂ ضمیر کے لُطفِ بیان سے اہلِ عزا کا دل کبھی ہوتا نہیں ہے سیر
زورِ بیاں سے لرزاں ہے اہلِ جفا کا دل منبر پہ جب گرجتا ہے مولا علیؑ کا شیر

گویا ہے کاٹ تیغ کی جُملوں کی مار میں تاویلیں سو سو کٹتی ہیں ایک ایک وار میں
اللہ رے! خطابتِ علّامۂ ضمیر شیرِ ببر دہاڑتا ہو جیسے کچھار میں

پروفیسر ظلِّ صادق

تاجدارِ سلطنتِ خطابت علّامہ ضمیر اختر نقوی

لوحِ مدحت پہ قلم کو جو رواں کرتا ہوں
جو حقیقت ہے نہاں، اُس کو عیاں کرتا ہوں
کب بھلا مشغلۂ سود و زیاں کرتا ہوں
مَیں تو حقدار کی توصیف بیاں کرتا ہوں
ساری دنیا کے کتب خانے جنھیں ازبر ہیں
وہی علّامۂ دوراں تو ضمیر اختر ہیں

آنِ واحد میں ہنساتے ہیں رلا دیتے ہیں
اپنے مجمع کو اٹھاتے ہیں، بٹھا دیتے ہیں
رزم میں جب، صفِ صفّین دکھا دیتے ہیں
کیا خطابت ہے کہ تصویر بنا دیتے ہیں
صرف عالم نہ کہو ان کو، کہ اعلم ہیں ضمیر
آپ موجد ہیں ضمیر آپ ہی خاتم ہیں ضمیر

ناز جن پر نجباء کو ہے نجیب ایسا ہے
محسنہ والدہ ہیں ان کی، نصیب ایسا ہے
فخر کرتا ہے ادب، جس پہ ادیب ایسا ہے
آپ حیران خطابت ہے، خطیب ایسا ہے
بخدا صاحبِ اجلال ضمیر اختر ہے
قوم کا بیش بہا لعل ضمیر اختر ہے

وسعتِ علم بھی ہے خوبیٔ گفتار کے ساتھ
رقص کرتی ہے صبا شوخیٔ رفتار کے ساتھ
طاعت و زہد گلے ملتے ہیں کردار کے ساتھ
حلم سے پیش سدا آتے ہیں اغیار کے ساتھ
تیغ کی دھار کو یوں کند کیا کرتے ہیں
مژہ سے ڈھال کا بھی کام لیا کرتے ہیں

فلسفہ، منطق و تاریخ ہو یا ہو انساب
آپ کی ذات میں پنہاں ہے کتابوں کی کتاب
جیسے پتھر کا جگر توڑ کے پھوٹ آئے گلاب
درحقیقت، ضمیر اختر کا نہیں کوئی جواب
شعبۂ حافظے کا نظم و نسق لیتے ہیں
جتنے حفّاظ ہیں وہ ان سے سبق لیتے ہیں

ماجد رضا عابدی

"لفظ و معنیٰ کا سمندر"

قلزمِ اوجِ معانی کا کنارا ہیں ضمیرؔ   ادب و علم کا بہتا ہوا دھارا ہیں ضمیرؔ
دورِ رفتہ کی خطابت کا نظارا ہیں ضمیرؔ   بیتِ حیدرؑ پہ جو اترا تھا وہ تارا ہیں ضمیرؔ
بیتِ حیدرؑ کو جو چوما تو سند پائی ہے
اس لئے ان کی خطابت میں توانائی ہے
یہ سلاست یہ فصاحت یہ خطابت یہ بیاں   حُسن کا ندرتِ الفاظ میں دریا سا رواں
ہے عبور ایک سا دونوں پہ یقیں ہو کہ گماں   سادگی دیکھ کے عاشق ہوئے خاصانِ جہاں
گفتگو ایسی کہ ہر بات سے موتی برسیں
سُن کے تقریر چہکنے کو عنادل ترسیں
شوکتِ فکر کے مظہر بھی ضمیر اختر ہیں   لفظ و معنیٰ کا سمندر بھی ضمیر اختر ہیں
مدحتِ آلؑ کے محور بھی ضمیر اختر ہیں   یعنی منبر کے دلاور بھی ضمیر اختر ہیں
خنجرِ فکر و تخیل نے جگر کاٹ دیئے
جنگِ حیدرؑ جو پڑھی تارِ نظر کاٹ دیئے
فن کا وہ اوج کہ حیرت سے ترائی دیکھیں   گیسوئے فکر میں لفظوں کی اسیری دیکھیں
جرأتِ ذوقِ تخیل کی بلندی دیکھیں   اس گدائے درِ زہراؑ کی امیری دیکھیں
جب بھی تحریر کے میداں میں نظر آتے ہیں
بڑھ کے قرطاس و قلم ان کی قسم کھاتے ہیں

سیرتِ زہراؑ، فدک، شاعری، آنسو، پانی   ذوالفقار، آگ، ہوا، شہد، جوانی، پیری
ذوالجناح و علم و رنگ اور آبائے نبیؐ   اور اسلام کی تاریخ میں کردارِ علیؑ
منتخب کرنے میں موضوع کو یکتا ہیں ضمیرؔ
فنِ تقریر میں مضمون کا دریا ہیں ضمیرؔ

بدر و بیرالعلم و ذاتِ سلاسل موتہ   قینقاع و احد و خیبر و فتحِ مکہ
نہرواں لیلِ حریر و جمل و کرب و بلا   رمل و خندق و مختار کی جنگِ کوفہ
پڑھ کے غزوات یہ ہلچل سی مچا دیتے ہیں
رزمِ شبیرؑ کی تصویر دکھا دیتے ہیں

دورِ حاضر کی خطابت پہ ہے فیضانِ ضمیرؔ   یعنی اک زندہ حقیقت ہے دبستانِ ضمیرؔ
فلکِ علم کے تارے ہیں محبّانِ ضمیرؔ   ماجدِؔ عابدی میں بھی ہوں ثنا خوانِ ضمیرؔ
میرا اسلوب اسی سیفِ زبانی کا اسیر
میرا ادراک اسی زمزمہ دانی کا اسیر

۱۔ علاّمہ ضمیر اختر صاحب کے چند موضوعات کے عنوانات اور جو اسلامی جنگیں انھوں نے پڑھی ہیں اُن کے نام دونوں بندوں میں نظم کیے گئے ہیں۔
۲۔ نظم کے پہلے بند کا چوتھا مصرع دیکھیے، علاّمہ ضمیر اختر صاحب کا ستارہ "زہرہ" ہے اور یہی ستارہ درِ حیدرؑ پر اُترا تھا۔

سیّد محمد عباس صادقؔ جعفری

''در توصیفِ جناب علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی''

یہ بات کہنے میں مجھ کو نہیں ہے کوئی حجاب
وہ علم کا ہیں سمندر تو میں ہوں مثلِ حباب
کروں ستائش علم و عمل میں کیسے جناب
دلوں میں بات اترنے کے ہیں کئی اسباب
کئی ہیں زاویے اسلام کے فسانے کے
طریقے سینکڑوں ہیں بات کو بتانے کے

شرافتوں کا نمونہ ہیں یہ خطیب جواں
نجابتوں کا لہو ان کے قلب میں ہے رواں
دہن میں رکھتے ہیں یہ مدحتِ علیؑ کی زباں
ہیں جیسے خود تو اسی طرح ان کی فکر جواں
نفاستوں نے وہ اعلیٰ چلن دکھایا ہے
نہ آئے جس میں فتور ایسا، ذہن پایا ہے

میں جن کا مدح سرا ہوں وہ ہیں، ضمیر اختر
یہ حلم و صبر و تحمل کا ہیں حسیں پیکر
بصد خلوص یہ ہر اک سے ملتے ہیں ہنس کر
ہیں ان کے سینے میں پوشیدہ علم کے دفتر
جو اِن کا علم ہے حیدرؑ کی وہ عطا ٹھہرا
نشانہ جہل کا ان پر ہی بس خطا ٹھہرا

نہ ہے شخصیت سے جھلکتا جو، بانکپن ان کا
سجیلا اور چھریرا ہے جو، بدن ان کا
مثالِ دیبا و ریشم جو ہے سخن ان کا
یہ کیوں نہ ہو کہ جو لکھنؤ ہے وطن ان کا
وہ صاحبانِ ذکا حاملِ خرد بھی تھے
کہ آلِ حق کے وفاداران کے جد بھی تھے

خیال و فکر کے سب سے بلند طائر ہیں
ہمارے عہد کے سب سے بڑے مفکر ہیں
کسی کے ذکر سے غافل نہیں، وہ ذاکر ہیں
خطیبِ آل محمدؐ ہیں، اور شاعر ہیں
ہیں شعر گوئی کے فن میں بھی یہ حدِ فاصل
ہوا ہے شاعری میں ان کو ارتقا حاصل

سخن میں کوئی بھی ہلکی نہیں ہے بات ان کی
جو بات بھی ہے وہ ہے منضبط صفات ان کی
بس ارتقائے خطابت ہے کائنات ان کی
انیس و میر کا عکسِ جمیل ذات ان کی
کلام ایسا کہ الفاظ خود ہی بولتے ہیں
انھی کے لہجے میں رچ کر زبان کھولتے ہیں

ثنائے آلِ نبیؐ سے انھیں بہت ہے پیار
میثم اور کسی کو نہیں یہ حق کا شعار
انھی کے خطبوں میں دینِ نبیؐ کا ہے معیار
نئی ہے فکر تو موضوع بھی نیا ہر بار
کہیں گرجتے ہیں دھیما کہیں پہ لہجہ ہے
خطابت ان کی بس اک روشنی کا دریا ہے
ثنا ضمیر کی صادق نے کی بہ عجز و نیاز
دعا ہے رب سے کرے ان کی وہ حیات دراز
ضمیر آپ کو اللہ رکھے بس ممتاز
نہ زندگی میں نشیب آئے آپ پائیں فراز
ہر ایک سال تمہیں کربلا دکھائے خدا
ہر ایک آن زبس علم بھی بڑھائے خدا

سیّد محمد عباس صادق جعفری

احسان ضمیر برنسل جدید

"سہ ماہی "القلم" کے اجرا پر"

کتنا ادب ہے آج بھی مرہونِ القلم
شغل جہول ہے کہ کریں خونِ القلم
عالم ہر ایک اب بھی ہے ممنونِ القلم
قرآں کا نون سِرّ نہاں نونِ القلم
اس "ن" کا ہے راز فقط "نطق نور" بھی
فرضِ قلم ہے کرتا رہے مشقِ نور بھی

ہے مشقِ نور اصل میں امدادِ داوری
اہلِ قلم ہی دہر میں قدرت کے ہیں دھنی
ان کے قلم سے جہل کی قوت میں ہے کمی
یہ نور سے بڑھاتے ہیں ذہنوں کی آگہی
جس کو کتابِ حق کی ہر آیت کا ہے خیال
صرف اس کو ہی قلم کی بھی حرمت کا ہے خیال

جو حمد میں خدا کی چلے ہے وہی قلم
جو مصطفیٰؐ کی مدح کرے ہے وہی قلم
جو الفتِ علیؑ میں ڈھلے ہے وہی قلم
جو راہ پنجتنؑ پہ چلے ہے وہی قلم
اس راہ حق پہ ہے جو اسالیب کا قلم
ایسے قلم کو کہتے ہیں تہذیب کا قلم

پھیلا ہوا جو اہلِ قلم کا ہے خاندان
ہر ایک سے ہے اونچا قلمکار کا نشان
جو بھی صداقتوں کی دکھاتا ہے آن بان
دنیا میں بس اسی کا قلم رہتا ہے جوان
راہِ خدا میں بنتا ہے جب حق نگر قلم
تحریر خوں سے لکھتا ہے قرطاس پر قلم

یہ "القلم" بھی حق نگری کا جریدہ ہے
مضمون جو بھی اس کا ہے چیدہ چنیدہ ہے
ہر وصف اس کا دیکھئے وصفِ حمیدہ ہے
اپنے وجود میں یہ ادب کا قصیدہ ہے
ہر اِک جہت سے دیکھئے آہنگ ہے نیا
ہے کوکبِ رثائی ادب رنگ ہے نیا

پائے غلط جگہ جو کوئی لفظ کیا مجال
اوصاف کا بیان بھی ہے عقل سے محال
ماضی کے مرثیے کے وہ رخشندہ ماہ و سال
اس کے مطالعے سے ہویدا ہے سب کا حال
ہے خاصۂ رثائی ادب نام القلم
نامِ حسینؑ لیتا ہے ہر گام القلم

یہ پیاس تشنہ گان خرد کی بجھاتا ہے
امیدِ طالبانِ حقیقت بندھاتا ہے
تحقیق و فحص کو نئی راہیں سُجھاتا ہے
یادِ بہارِ گلشنِ اردو دلاتا ہے
اس میں ہر آن مصحفِ ناطق کا ذکر ہے
اللہ اور رسولؐ کے عاشق کا ذکر ہے
یہ بات مجھ کو کہنے میں مانع نہیں حجاب
تعریف اس کی ہوتی ہے جو بھی ہو لاجواب
صادقؔ نہ "القلم" کی نظیر اور نہیں جواب
تعبیر پا گیا ہے یہ اہل خرد کا خواب
اک قرض تھا جو ہم پہ انیسؔ و دبیرؔ کا
احساں اتار سکتے نہیں "ہم"، ضمیرؔ کا

قطعۂ تاریخ ولادت (جناب سیّد ضمیر اختر شاہ نقوی صاحب)

گوندھا گیا مودّت شبیرؑ سے جو، یہ خمیر
رب نے بھیجا مرثیے کا اس کو، بنا کر سفیر
خونِ دل سے اس نے سینچا مرثیے کو اس طرح
"رہی آلِ عبّاؑ سے منسلک، اس کی روح باضمیر"

---------- ۱۹۴۷ء ----------

قطعۂ تاریخ اجرا شمارہ "القلم"

خوابیدہ ذہنیت کو جگاتا ہے، سو بہ سو
علم و ادب کے غنچے کھلاتا ہے کو بہ کو
پوشیدہ ہر شمارے میں "اک کائناتِ علم"
"نہج القلم بھی نہج بلاغہ، بھی ہو بہ ہو"

---------- ۱۴۱۸ھ ----------

قسیم ابن نسیم امروہوی

اعتراف و تحسین

نذرِ علاّمہ ضمیر اختر نقوی

عالمِ فن میں ترقّی کی سحر آج بھی ہے ۱ صدفِ فکر میں نایاب گہر آج بھی ہے
ادبِ عہدِ قدیمی کا اثر آج بھی ہے شہر میں اردو کے تہذیب کا در آج بھی ہے
کب سلاطیں کی نگاہوں میں ادب تُلتا ہے
اک قلم کار کے ہاتھوں سے یہ در کُھلتا ہے

یوں تو ہر شہر میں اردو کا ہے دروازہ کھلا ۲ دکن و دہلی کا ہے خاص ادب میں چرچا
یہ بھی دیکھیں کہ رواں ہے قلمِ امروہا چار سو سال سے جاری یہ سفر ہے، بخدا
فن سے مہکا ہوا گلزارِ شمیم آج بھی ہے
جس کی تصدیق کو تحقیقِ عظیم آج بھی ہے

فن کی امروہوی تنظیم تو گھر میں ہے مرے ۳ دکن و دہلی ادب میرے تخیّل میں بسے
لیکن اس نظم کا عنوان یہ مقصد ہے لیئے رخشِ اردو جو چلے، لکھنؤ جا کر ٹھہرے
قلبِ ہر شہر پہ اردو نے اثر چھوڑا ہے
لکھنؤ پہنچی تو رخ چاروں طرف موڑا ہے

لکھنؤ قُلزمِ تہذیب کا اک دھارا ہے ۴ نفس کے جہل کو با تیغِ ادب مارا ہے
لکھنؤ اردو کی ترسیل کا سیّارا ہے ذہنِ تخلیق کی تطہیر کا گہوارا ہے

یہ ترا ، کاتبِ تقدیر! کرم ہے گویا
لکھنؤ کعبۂ قرطاس و قلم ہے گویا

اسی کعبے نے کئی بابِ منوّر کھولے ۵ عُقدے اردو کی ترقّی کے سراسر کھولے
صفحۂ فن پہ قلم کار کے جوہر کھولے شاعری اور خطابت کے نئے در کھولے

اب بھی وا، لکھنوی افکار کا در ہے، دیکھیں
علم کے در سے تمسُّک کا اثر ہے، دیکھیں

درِ علمی سے تمسّک کے صلے کا ہے یہ حال ۶ دو ہزار عیسوی میں کم تھے ترپن جب سال
لکھنؤ میں ہوا پیدا جو ضمیرِ اہلِ کمال قلعۂ نسلِ دیانت[۲] کا بنا بابِ جمال

یہ ضمیر اک درِ تحقیق نیا کھولے گا
جس کی تصدیق کو حرفِ ادبی بولے گا

گزرے جب لکھنؤ میں شکرِ خدا گیارہ سال ۷ خونِ گردیزیؔ[۳] بنا راہِ ظہیرؔ[۴] اعمال
آیا جب فن کی امانت سے دیانت کا خیال ذکرِ عبّاسؑ سے آغازِ خطابت تھا کمال

ہر نفَس بوئے وفاداری سے سیراب ہوا
جو نواسہ تھا ظفرؔ[۵] کا ، وہ ظفریاب ہوا

عمر تھی گیارہ برس، پھر بھی یہ رفعت پائی ۸ راس گیارہ کا عدد آ گیا، عظمت پائی
گیارھویں[۶] نائبِ احمدؐ کی عنایت پائی ان کی تفسیر پڑھی، فکر نے قوت پائی

ان کی تفسیر نے تقدیر کو چمکایا ہے
ان کے صدقے میں مفسّر کا لقب پایا ہے

بچپنے سے رہی تہذیبِ سلف ہمجولی ۹ بن گیا ذہنِ رسا کسبِ ادب کی جھولی
اردو یوں ساتھ رہی جیسے کہ دامن چولی آنکھ بھی تو سر آغوشِ خطیبہ کھولی
گود میں محسنہؑ کے طفل جو یہ آیا تھا
ذکرِ اصغرؑ کا زمانے میں صلا پایا تھا

ہند سے پاک زمیں آئے جوفن کے ارباب ۱۰ بن گیا قومی زباں ملک میں اردو کا نصاب
لیلئ اردو پہ آنے لگا پھر عہدِ شباب اس سفر میں ملا اردو کو بھی ہجرت کا ثواب
آئے شیدائی بھی اردو کے یہاں ،خوگر بھی
لکھنوی فکر کے ساتھ آئے ضمیر اختر بھی

سن ولادت کا جو اس بحر میں آتا ہی نہیں ۱۱ سن وہی سمجھیں جو آزاد ہوئی پاک زمیں
غالباً کھینچ کے لے آیا یہی ربطِ حسیں جس سے روشن ہوئی ماحولِ کراچی کی جبیں
لے کے اوصافِ سلف کی یہ گواہی آیا
لشکری فکر کا بے باک سپاہی آیا

اے خوشا بخت یہ جب شہر کراچی آئے ۱۲ پہلی ہی بار ملاقات میں ہم کو بھائے
کیوں نہ دل دوستی کا ان کی بھلا گُن گائے ان کی خدماتِ ادب نظم کرے، بتلائے
یہی آتی ہے صدا قلب کے کاشانے سے
قامتِ وصف نپے عدل کے پیمانے سے

لوگ یہ پوچھتے ہیں ، کیسے ضمیر اختر ہیں ۱۳ جیسے ان کے ہیں سلف ویسے ضمیر اختر ہیں
کاش ایسے ہوں سبھی جیسے ضمیر اختر ہیں! دیکھیں! زندہ ہے ضمیر ایسے ضمیر اختر ہیں
زندگی محوِ سفر رفرفِ احساس پہ ہے
ہر نفَس خامۂ فن مسندِ قرطاس پہ ہے

اہل دل ، اہلِ نظر، شکل سے بھولا بھالا ۱۴ بہرِ دیں ، دعوتِ دنیا کو ہمیشہ ٹالا
فن کے ماحول کا وہ تجزیہ کرنے والا دفترِ جہل میں بے خوف لگا دے تالا

آلؑ و قرآن کا دامن جو بہم تھاما ہے
عمل و علم مساوی ہیں یہ علاّمہ ہے

وہ قلم کار جو تحریر کرے ذکرِ حمید ۱۴ قلم اس شخص کا ہر صنفِ سخن کی ہے نوید
شاخِ گل سے جو کرے قطع جہالت کا حدید قفلِ گنجینۂ تہذیبِ ادب کی ہے کلید

قلم ایسا کبھی پابند نہیں ہوسکتا
کارِ تخلیق کبھی بند نہیں ہوسکتا

ہے دماغ ان کا جو اک فکر و تجسّس کا جہاں ۱۵ ادبی ، دینی کتابوں کا ہے گویا یہ مکاں
جس میں محفوظ ہیں تاریخیں، حدیثیں، قرآں "عالمی لائبریری" ہے کہ ذہنِ انساں!

یہاں تخلیق کے گوشے میں بھی بیداری ہے
ایک سو تیس[8] کتابوں کی یہ الماری ہے

ان کا گھر خود ہے کتب[9] خانہ، یہ منظر دیکھیں ۱۶ صرف فہرستِ کتب ہی جو اٹھا کر دیکھیں
ان گنت مرثیوں کے مطلعِ انور دیکھیں یہی سب دفترِ الہام کے ہیں در، دیکھیں

حدِ ترویج میں ان سے متعلّق ہیں ضمیر
گویا اک صاحبِ ادراک محقق ہیں ضمیر

ایک سو تیس کتب ان کے قلم کی ہیں عطا ۱۷ ان میں کچھ زیرِ اشاعت ہیں تو کچھ طبع شدہ
قطرے قطرے سے بنایا گیا گویا دریا مشکِ ذہن ان کی وہ ہے جس میں سمندر ہے بھرا

عُمقِ فکر نے ان کا یہ نظارا دیکھا
ڈوب کر فن کے سمندر میں ابھرتا دیکھا

لکھی ''آئمۂ اثنا عشر''[11] اک دینی کتاب ۱۸ شرف الدین کا شرف لکھ کے بڑھی کلک کی تاب
''کربلا''[12] اردو غزل'' سے ملا خامے کو شباب   حرفِ آخر ہے تقاریر[13] ترابی کا نصاب

اک کتاب ایسی لکھی جس سے کہ بیداری ہے
سارے عالم کا جو منشورِ عزاداری[14] ہے

دِل میں تھے مرثیہ گو پاک وطن کے جو نہاں ۱۹ اک کتاب[15] ان پہ لکھی جو ہوئی مشہورِ جہاں
ہیں نسیم، آلِ رضا، جوشؔ، ہر اک روحِ رواں   ذکر سے جن کے ہوا مرثیے کا وزن عیاں

بات تقسیم سے یہ تیس برس تک کی ہے
چند برسوں کو حیاتِ ابدی بخشی ہے

دکنی مرثیہ تا مرثیۂ نو عنواں ۲۰ گویا کہیئے جسے ''قاموس''[16] ''دبستانِ زباں
مہر کی کرنوں کا پھیلاؤ بھی ایسا ہے کہاں   چار سُو تبصرہ یہ چار صدی کا ہے عیاں

گویا کوزے میں سمندر کا حشم بند کیا
وصف جو کھل نہیں سکتا تھا، قلم بند کیا

شعرا سارے نظر میں تھے جدید اور قدیم ۲۱ مرثیہ گوئی میں ہے طاق دبیر ایسا کلیم
وقف تھی مثلِ انیس اس کے لئے فکرِ سلیم   جھکی خامے کی جبیں بارہا بہرِ تسلیم

اُفقِ فن پہ دبیرِ سخن آرا چمکا
اے محقق! تری قسمت کا ستارہ چمکا

مرثیائی ادب آثار حوالے لکھے ۲۲ جو ہیں تحریر کی دنیا کے اجالے، لکھے
سخت سے سخت بھی مضمون نہ ٹالے، لکھے   تبصرے ساٹھ تو اکیاسی مقالے لکھے

تبصروں اور مقالوں سے یہی ظاہر ہے
خود بھی ہے مرثیہ گو، مرثیوں کا ماہر ہے

حرفِ آخر نہیں، گویا ہے یہ منزل کی سبیل ۲۳ کلیات ایک طرف دیکھیئے تحریرِ قلیل
قطرۂ حرف کا پھیلاؤ ہے یا موجِ نیل "جزئیات" ان کے لبِ خامہ کی ہیں بحثِ طویل
خاک چھانی ہے سرِ عرصۂ تعلیم ضمیر
خضرِ راہِ ادب ، لائقِ تعظیم ضمیر

کبھی دیکھا نہیں ہوتے ہوئے غفلت کا شکار ۲۴ وقت کی تیز روی سے ہیں ہمیشہ ہشیار
خواب کے وقت بھی ہیں بسترِ فن پر بیدار تکیۂ ذِکرِ شہادت بنا نیندوں کا قرار
خدمتِ آلؑ سے بالکل نہیں فرصت' دیکھیں!
جسمِ لاغر کا یہ ہے وزنِ عبادت ، دیکھیں!

ایک ناظر ہے، مناظر ہے، نظارا ہے ضمیر ۲۵ ایک تنظیم ہے، حلقہ ہے، ادارا ہے ضمیر
گمرہوں کے لئے شعلہ ہے، شرارا ہے ضمیر ہر ادب دوست کا ساتھی ہے، سہارا ہے ضمیر
دُرِ تحقیق لٹانے پہ جو آمادہ ہے
یہ بھی اقلیمِ ادبیات کا شہزادہ ہے

گر ضمیر ایسا ہے سرمایۂ نایابِ ادب ۲۶ اس کو محفوظ رکھے قوم ضروری ہے یہ اب
قدرداں مرثیے کا ہے، کریں قدر اس کی سب مرثیہ وہ ہے صحیفہ جو ہے زہراؑ کی طلب
کربلا جیسا کوئی ذِکر دکھائے اردو
مرثیہ ، صنفِ سخن کا ہے خدائے اردو

اے ضمیر! ارضِ وطن پر ترا چمکا یہ نصیب ۲۷ تیرے قائل ہوئے دانشور و نقاد و ادیب
شعرا ، فلسفہ داں، حافظِ قرآن و خطیب دسیوں تعداد میں ہیں گنیئے جو اردو کے نقیب
کیا سند ان کی ، سند تو یہ دوامی پائی
صاحبِ علمِ سلونی کی غلامی پائی

جوشؔ کے مرثیے[۱۸] کہتے ہیں یہ ہوکر فرحاں ۲۸ اے ضمیر! آپ کا ہم پر ہے ابد تک احساں
مل گئی پہلے پہل ہم کو اشاعت کی جناں اب ہمارے ہی تجسّس میں رہے گا یہ جہاں
یہ نہ ہوتا تو صحیفے یہ فنا ہوجاتے
انقلابات کے پیغام ہَوا ہوجاتے

اے ضمیر! آپ کے یہ کارِ نمایاں بھائے ۲۹ معترف کیوں نہ ہر اک اہلِ نظر ہو جائے
جوشؔ[۱۹] کے نامے یہ کہتے ہوئے آخر آئے بھر دوں موتی ترے دامن میں، ہے دل کی رائے
کیا کروں، حق سا نہیں پایا عنایت کا مزاج
ورثۂ آلِؑ پیمبرؐ ہے سخاوت کا مزاج

تھے جو اندازِ انیسی کے نسیمؔ[۲۰] اک ماہر ۳۰ جوشؔ کے مرثیوں پر ڈالی نگاہِ غائر
پھر، ضمیر! آپ پہ اک خط سے کیا یہ ظاہر مصحفِ جہد وعمل ہے یہ کتابِ شاعر
ڈھلی اشعار میں جو، وہ ہمدانی کہیئے
فن کی تلوار کا ٹھہرا ہوا پانی کہیئے

یادِ صد سالہ انیسی کا تھا جس دم چرچا ۳۱ شاعرِ آلِؑ محمدؐ نے پھر اک خط لکھا
اے ضمیر! آپ ہیں حق دارِ ستائش، بخدا! آپ کی کاوشِ پیہم نے بڑا کام کیا
پہلی بار ارضِ وطن میں یہ سماں چھایا ہے
پرچمِ یادِ انیس آپ نے لہرایا ہے

فکر کا مرکز و محور سبھی استاد رہے ۳۲ مرثیہ گوئی کے معمار سدا یاد رہے
قلب میں مثلِ[۲۱] رضا نجم بھی آباد رہے آخرش ان کے بچھڑ جانے سے ناشاد رہے
ان کی فرقت کے غم و درد خیالوں میں بھرے
اشکِ احساس مجلّوں کے پیالوں میں بھرے

پاک ہر خامی سے موصوف کا جو خامہ ہے ۳۳ فلکِ خدمتِ اردو کا سِرا تھاما ہے
فرقِ تحریر پہ تحقیق کا عمّامہ ہے اس حوالے سے بھی یہ کام کا علّامہ ہے
راہِ علمی میں زیادہ نہ کسی سے کم ہے
گویا تحقیق و خطابت کا یہ اک سنگم ہے

ہنرِ فکر میں تم صنف ہر اک لے کے بڑھے ۳۴ روشِ نظم و رباعی نہ سلاموں سے ہٹے
مثنوی، ہجو، غزل، مرثیہ، واسوخت پڑھے جب تو گل ہائے عقیدت مرے لفظوں سے کھلے
مرثیہ ہی نہیں، کُل فن کے سپارے چمکے
جس طرح چاند کے ہمراہ ستارے چمکے

تبصرہ اور بھی کچھ اہلِ قلم کا ہے شعار ۳۵ بحثِ علمی سے ہے ماجدؔ کے تخیل پہ نکھار
شوقِ تحقیقِ عزاداری کے دیکھیں آثار غیر ہے پھر بھی بلندی پہ ہے شوبلؔ کا وقار
کہا شوبلؔ[۲۳] نے، عزاداری کا داعی ہے ضمیر
اک فروغِ غمِ شبیرؑ کا ساعی ہے ضمیر

ذکر مقصود ہے اب بہرِ تسلسل ان کا ۳۶ وہ بھی تعریف کے قابل ہیں جنہوں نے، بخدا
اے ضمیر! آپ کو تحسین کے قابل سمجھا ان کے بارے میں بھی اس نظم میں ہے لکھا گیا
ان میں سے چل بسے جو، مر کے بھی پائندہ ہیں
انہیں اللہ سلامت رکھے جو زندہ ہیں!

آج بھی کل کی طرح فیضِ قلم جاری ہے ۳۷ عرصۂ اردو میں کرّار کی کرّاری ہے
ایسی، کرّار حسین[۲۴]! آپ سے بیداری ہے تا حدِ خلدِ ادب آپ کی سرداری ہے
صدرِ تنظیمِ ادب، مصدرِ اردو کرّار
گویا بے وحی کا پیغمبرِ اردو کرّار

اک بزرگ اور بھی ہیں حاملِ قرطاس و قلم ۴۳ نام ہے سیّد ہاشم[25] رضا اردو کا بھرم
بزمِ فن کے لئے ہے روحِ رواں آپ کا دم ماہرِ شعبۂ تحریر ، ادب کا محرم
یہ حشم مرثیہ گویوں کے ہے حامی کے لئے
حشمتیں جھکتی ہیں ہاشم کی سلامی کے لئے

راہِ فن میں ہیں وحید الحسن[26] ان کے ساتھی ۴۴ کیوں نہ بتلاتے جمیل[27] ان کا جمالِ ادبی
کہا فاضل[28] نے، ضمیر! آپ پہ ہے فضلِ علیؑ عسکری[29] بولے، سپاہی ہے یہ اردو کا جری
اے ضمیر! آپ کے افکار کو تو ناز یہ ہے
صاد صفدر[30] سے محقق کا ہے ، اعزاز یہ ہے

لکھنوی فکر منوّر ہے جو نیّر[31] کے سبب ۴۵ حیدری[32] اردو کے میداں میں ہیں اکبر بہ ادب
آج بھی کاظم[33] و جواد[34] کی فن کو ہے طلب مثلِ آزاد[35] کھلے ان میں سے ہر ایک کے لب
جن پہ ہے مشکِ ادب، آپ کے ہی کاندھے ہیں
یوں، ضمیر! آپ کی تعریف کے پُل باندھے ہیں

ہے ضمیر ایسوں کی نظروں میں جو انسان شریف ۴۶ ناقۂ فکر پہ ہے گویا بزرگوں کا ردیف
لکھنوی طرزِ مزاحی بھی ملا مثلِ ظریف[36] ہے تبرا و تولا میں ابوذرؓ کا حلیف
دمِ تقریر سیاست ہے نہ چالاکی ہے
مصلحت ساز نہیں ، بات میں بے باکی ہے

وہ مقرّر جو لٹاتا ہے مضامیں کے گہر ۴۷ وہ مدبّر کہ تدبّر ہوا نازاں جس پر
وہ "ادب" آج بھی جس کی ہے سخن سنج نظر ایسے "فاضل" پہ ہوا فضلِ خدائے برتر
وہ محقّق جسے تحقیق کی دنیا کہیئے
ایک لشکر ہے ادب کا ، نہ اکیلا کہیئے

ایک دیوانۂ فن ، عاشقِ تحقیق ضمیر ۴۸ ایک تاریخ بکف ، لائقِ تحقیق ضمیر
عالمِ اردو کا اک شائقِ تحقیق ضمیر   گویا اک مرثیوں کا خالقِ تحقیق ضمیر

ہاتھ سے دامنِ فن تو نہ کبھی چھوٹے گا
تیغِ تحقیق کا لوہا ہے ، نہیں ٹوٹے گا

اتنی مضبوط ہے یہ منزلِ تحقیقِ علوم ۴۹ جو کبھی ہو نہیں سکتی کسی صورت معدوم
"شاعری اور حیات"[۳۷] ان کا ہے حرفِ مرقوم   جس نے تحریر کی دنیا میں مچا رکھی ہے دھوم

آرزو پوری ہوئی ، شکر کے دِن آئے ہیں
نسخے نادرِ قلمی آرزو[۳۸] کے پائے ہیں

ہیں رسالوں میں علم دارِ مضامیں یہ جناب ۵۰ "اردو سہ ماہی"[۳۹] کا دعویٰ کہ کنول ہیں سرِ آب
ہے یہ "ارشاد"[۴۰] کا ارشاد، ہیں تالیف مآب   "جامِ نو"[۴۱] کہتا ہے، پیتے ہیں ادب کی یہ شراب

جو بھی "فاضل" ہے ، اشاریۂ فن لکھ کر ہے
"ماہِ نو"[۴۲] سے ہوا روشن کہ ضمیر ، اختر ہے

یہ بھی اک کام، ضمیر! آپ کا ہے بیش بہا ۵۲ علم انساب کا ذہنوں میں علم نصب کیا
گویا کشتِ[۴۳] شجرہ کو بھی لہو سے سینچا   خون کا تھا جو سفرنامہ، رگِ دِل سے لکھا

اپنی پہچان ہو انساں کو یہ تیاری ہے
چمنِ نسل میں کیا خوب شجرکاری ہے!

اے ضمیر! ایسا کسی نے بھی نہ میداں ڈھونڈھا ۵۳ تم نے تو حضرتِ[۴۴] ناسخ کا دبستاں ڈھونڈھا
نسلِ نو کی طلبِ فکر کا عنواں ڈھونڈھا   مرثیہ گوئی کی تاریخ کا دیواں ڈھونڈھا

نسلِ نو ، فکرِ ترقّی میں اگر رہنے لگے
کیا عجب "محسنِ اردو" تمھیں یہ کہنے لگے

مجلسوں[۴۵]، تبصروں، تحریروں، مقالوں کی قطار ۵۴ ان کی فہرست مرتب کرے گر نظم نگار
کتنی کاوش وہ کرے پھر بھی نہ دریا ہو یہ پار   عملی درس دیا کر کے یہ رستہ ہموار
جب کلی کھلتی ہے اس وقت ہی گل بنتا ہے
فکر کی راہ سے ہی ذِکر کا پُل بنتا ہے

ہے یہی منظر و پس منظرِ افکارِ ضمیر ۵۵ کھلیں گل ہائے مضامیں جو ہو شائع تحریر
آلؑ و قرآں کی بہم پھیلے ہر اک سو تنویر   ہے بھرم صدیوں کا سینتیس برس کی تدبیر
ملیں سینتیس برس میں جو یہ راہیں ان کو
کیوں بزرگوں کے زمانے نہ سراہیں ان کو

طے کریں اجرتِ مجلس، یہ نہیں ان کا شعار ۵۶ کوئی خود نذر کرے کچھ، نہ کریں پھر انکار
ایسے مدّاح کو کہتے ہیں "فرزدق کردار"   کبھی گھٹتا نہیں، بڑھتا ہے تبرک سے وقار
دیکھ کر ان کو حواس اوروں کے یوں باختہ ہیں
یہ سند یافتہ عالم ہیں، وہ خودساختہ ہیں

اے ضمیر! آپ بھی ہیں معدنِ ذکرِ عترت ۶۰ مجلسیں پڑھنے کی ہے آپ میں اتنی قدرت
پانچ ہزار ایسی، ملی جن کو وطن میں شہرت[۴۶]   نہیں محدود یہیں تک یہ بیاں کی وسعت
غیرملکوں میں مصلّائے ولا بچھوایا
تین سو تیس جگہ فرشِ عزا[۴۷] بچھوایا

منتخب ہو دمِ تحریر کوئی بھی عنوان ۶۱ کھول دیں صفحۂ تاریخ و حدیث و قرآں
مرثیہ بہرِ حوالہ جو بنے زورِ بیاں   ایک جا گوہرِ ہر صنف ہوں پھر زیبِ زباں
چُن کے ہر دانہ حوالے کا جو لاتے ہیں ضمیر
گویا مضمون کی تسبیح بناتے ہیں ضمیر

روشن افکار کی منبر پہ جو مشعل کی ہے ۶۲ بات تم نے نہ ضمیر! ایک بھی مجمل کی ہے
گفتگو باغِ فدک[۴۸] پر بھی مفصّل کی ہے   بحث بے مغز نہیں بلکہ مدلّل کی ہے

نیتِ ذکر تمہاری یہی بتلاتی ہے
حقِ زہراؑ کی نماز ایسے پڑھی جاتی ہے

ایک تقریر بعنوانِ "خواتین"[۴۹] ہے چلی ۶۳ بات حواؑ سے چلی نورجہاں تک پہنچی
اوجِ عصمت کے لئے گفتگو جب آگے بڑھی   حور گفتار کی آ کر درِ زہراؑ پہ رکی

کل خواتین کو اس در کی خبر دی جائے
عملِ فضہؑ و زہراؑ پہ نظر کی جائے

ذوالفقار[۵۰] آپ کی جب زینتِ گفتار بنی ۶۴ رزم کی بات تھی پر بزم کا معیار بنی
علم کی ڈھال بنی، جہل کو تلوار بنی   برشِ تیغِ علیؑ، لفظوں کی جھنکار بنی

ان گنت وصف جو سمٹا کے یہ بتلانے لگے
لب پہ امداد کو اشعارِ انیسؔ آنے لگے

پائے گفتار کو ہر زینۂ عنواں پہ دھرا ۶۵ مثلاً گھوڑوں[۵۱] کے موضوع کا باندھا جو پرا
اسپِ تخیلِ ضمیر اس گھڑی ٹھہرا نہ ڈرا   فکر نے ذکر کے اصطبل میں گھوڑوں کو بھرا

گفتگو حد پہ تھی ہر نسل کی، ہر جوڑے کی
دستِ مضمون میں تھی باگ ہر اک گھوڑے کی

بہرحج جن دنوں بطحا میں تھے علامہ ضمیر ۶۶ کسی مومن کے یہاں پہنچے سرِ "بزمِ غدیر"
وہاں وہ آیۂ بلّغ پہ کی جامع تقریر   بول اٹھے حرف، کھنچی خُم کی سراسر تصویر

آپ کے ذکر کا تھاما ہے جو دامن، مولا!
اسی نسبت سے ضمیر آج ہیں ہر فن[۵۲] مولا

کربلا[۵۳] پہنچے تو دنیا ہی میں جنّت دیکھی ٦٧ روضۂ شہؑ پہ گئے، دین کی جلوت دیکھی
منزلِ سجدہ گہہ عشق و مودّت دیکھی وہاں غازیؑ کا پڑھا مرثیہ، حشمت دیکھی
ذِکر عباسؑ تھا خوشنودیٔ زہراؑ کے لئے
فخر ہے فکرِ انیسؔ سخن آرا کے لئے

پہنچے جب[۵۴] روضۂ مولائے رضاؑ پر بھی ضمیر ٦٨ داستاں روضے کی روضے پہ پڑھی باتفسیر
میرے لفظوں میں تھا گویا یہی متنِ تقریر شر کے ہاتھوں نہ مٹی آیتِ حق کی یہ لکیر
لفظ کی کڑیوں نے سچائی کو زنجیر کیا
شہرِ تاریخ کو تقریر نے تسخیر کیا

مغربی ملکوں میں جب[۵۵] پڑھنے مجالس پہنچے ٦٩ کیں وہ تقریریں ملی داد انہیں غیروں سے
نجی محفل میں جو عیسائی ادیب آنے لگے شمعِ افکار انیسی یہ جلا کر بیٹھے
اللہ اللہ ، ضمیر! آپ کا یہ پایا ہے
مرثیہ ، قاریٔ انجیل سے پڑھوایا ہے

ہو مبارک تجھے، اے فکرِ انیسی کے وکیل! ٧٠ پیش کی سامنے غیروں کے بھی مضبوط دلیل
بن گیا اہلِ کلیسا میں بھی ایماں کی سبیل ہوئی معروف زمانے میں انیسی تخئیل
سچ ہے قول اس کا، یہ اک اہلِ نظر بندہ ہے
بے انیس آج بھی بازارِ ادب مندہ ہے

آیا اک اور خطِ شفقتِ مولانا نسیم ٧١ اس میں لکھا تھا، ضمیر! آپ مقرر ہیں عظیم
گئے بیرونِ وطن آلؑ کے جب بن کے کلیم ذِکر شبیرؑ سے پھیلائی وہاں غم کی شمیم
منصبِ نشر عزاداری سنبھالا ، شاباش!
کیا مغرب میں بھی مشرق کا اُجالا ، شاباش!

ان کی قسمت میں تھی سیاحیِ دنیائے ادب ۷۲ پھول کیوں اہلاً وسہلاً کے نہ برسائے ادب
مرحبا کہہ کے نہ کیوں سینے سے لگ جائے ادب   خاک چھانی تو ملے ہیں دُرِ زیبائے ادب

وجہِ تفریح بھی شبیرؑ کی مدّاحی تھی
دین کے واسطے دنیا کی یہ سیّاحی تھی

کبھی ایسا بھی ہوا پہنچے جو مجلس میں ضمیر ۷۳ کسی نے دے[۵۶] دیا موضوع برائے تقریر
اس کی فی الفور بیاں کردی مناسب تفسیر   مجلسیں ایسی ہیں تینتیس، نہیں جن کی نظیر

یہ سلیقہ کسی آقا سے نہ آغا سے مِلا
ذِکرِ برجستہ کا فن نہجِ بلاغہ سے مِلا

کامیابی سے ہے مربوط، خطابت ایسی ۷۴ حدِ تکمیل پہ عنوان ہے، حکمت ایسی
رزمیہ ذِکر میں بھی زور ہے، قوت ایسی   نثر پر نظم کا دھوکا ہو، سلاست ایسی

نثر کو نظم سے جو تم نے نکھارا ہے، ضمیر
نقشِ اسلوبِ انیسی کو ابھارا ہے، ضمیر!

شمعِ افکار جلائی سرِ اوجِ منبر ۷۵ دیکھ کر کہتے تھے مجلس میں یہی اہلِ نظر
شخصیت ہے کہ مصوّر کا ہے شہکار ہنر   اے قسیم! اپنے تخیّل سے یہ کھینچ ایک نظر

جو بھی افکار کے پیمانے سے ناپا، لکھ دے
وارثِ طرزِ نسیم! اب یہ سراپا لکھ دے

وہ سراپا کہ جسے پست نہ بالا کہیئے ۷۶ قد و قامت میں ادب کا ہے جیالا کہیئے
زلفیں کہتی ہیں، گھنے گیسوؤں والا کہیئے   اور آنکھوں کو مئے فن کا پیالا کہیئے

بھویں آنکھوں پہ سجیں کیسی ہلالی، دیکھیں
حسنِ مصحف کی لکیریں ہیں جمالی، دیکھیں

وہ شباہت کہ نظر کھاتی ہے اکثر دھوکا ۷۷ غور سے دیکھیں تو بس ایک ہی ابھرے چہرا
آیئے! سوچیں ذرا کس سے ہے ملتا جلتا   جس نے منبر کو جلا بخشی ہے ایسا بندہ
عہدِ حاضر نے دوبارہ یہ حشم پایا ہے
بہرِ تقریر یہ ہم شکلِ انیس آیا ہے

صرف ذاکر ہی نہیں یہ ہے سخن ور بھی نفیس ۷۸ نوحے گیارہ کہے اور منقبتیں لکھی بیس
بارہ تعدادِ سلام اور ہیں غزلیں اکیس   اک مسدس بھی کہا جس میں ہے توصیفِ انیسؒ
ذوقِ شعری نہ ہوں کیوں، واقفِ ہر رستہ ہے
بستۂ فکرِ انیسی سے یہ وابستہ ہے

ہر اک عنوان کو منبر سے جلا دیتا ہے ۷۹ شعر پڑھتا ہے تو منظر یہ دکھا دیتا ہے
رنگِ الفاظ سے تصویر بنا دیتا ہے   پھر اسے طاقِ سماعت میں سجا دیتا ہے
سُن کے احباب یہ کہتے ہیں کہ جوشیلا ہے
جو حسد کرتے ہیں، ان کے لئے زہریلا ہے

وہ دھنی دھیان جو شہرت پہ نہیں دھرتا ہے ۸۰ ایسا دیوانہ کتابوں پہ فقط مرتا ہے
جو مخالف ہے یہی ذکر مگر کرتا ہے   کچھ بھی ہو، علم کا یہ شخص تو دم بھرتا ہے
سچ تو یہ ہے کہ ذہانت بھی بہت پائی ہے
بات میں وزن ہے، تحریر میں گہرائی ہے

وقف ہے جو کہ برائے سخن ایسا بندہ ۸۱ ہر نفس جو ہے صدائے سخن ایسا بندہ
جو سرِ بزم سجائے سخن ایسا بندہ   بندۂ خاصِ خدائے سخن ایسا بندہ
طالبِ علم کا اک ماحصلِ جہد کہو
مستند اگلے خطیبوں کا ولی عہد کہو

یاد ہے تیرہ سو اکیانوے ہجری اب تک ۸۲ یادِ صد سالہ انیسِ سخن آرا کی دمک
اور ضمیر! آپ کے احساس و تگ و دو کی چمک   یہی کہتی ہے، نمایاں ہے یہ خدمت بے شک
لیلیٔ فن کو یہ ڈھونڈھے سے بھی مجنوں نہ ملے
عاشقِ مرثیہ کا ان کو لقب کیوں نہ ملے

رُخِ اشعارِ انیسی سے ہٹایا پردا ۸۳ پھول چُن چُن کے کیا خاروں کو دامن سے جُدا
موسیٰؑ فن کا عصا، عیسیٰؑ فن کی ہے جلا   کُتبِ درسِ انیسی کا مُحافظ ٹھہرا
کام سے اس کے بھی مشہور ہوا نامِ انیس
ہے یہ پیغامبرِ مصحفِ پیغامِ انیس

ایسا ہے وصفِ مراثی کا یہ مضمون نویس ۸۴ سارے مضمون ہیں بیس، ایک نہیں ہے انیس
کم ہیں تحقیق کی دنیا میں ضمیر ایسے رئیس   کیسۂ فکر میں ہے دولتِ اشعارِ انیس
ادبی مست قلندر ہے، فقیر ایسا ہے
پاس زہراؑ کی دعا ہے، یہ امیر ایسا ہے

جو بھی تحریر ہے وہ حرفِ دعا سے نکھری ۸۴ اک کتاب ایسی لکھی جس سے کلی دل کی کھلی
افقِ جلد پہ ہے عشقِ علیؑ کی سرخی   پہلے ہی باب میں قرآں سے لئے وصفِ علیؑ
باب کہتا ہے کہ بانگِ ازلی ہے یہ کتاب
بائے بسم اللہ توصیفِ علیؑ ہے یہ کتاب

نقطۂ "با" سے یہ نکتہ بھی عیاں ہم پہ ہوا ۸۵ سات ابواب ہیں جس میں یہ ہے نسخہ ایسا
اس کو حق گوئی کے میزاں میں جو تولا تو کُھلا   شعرا اردو کے ہیں عشقِ علیؑ سے زندہ
یہ کتاب آئینہ ایماں کا دکھانے آئی
بغضِ حیدرؑ کے اندھیروں کو مٹانے آئی

جس کے مضموں سے یہ آتی ہے صدائے اردو ۸۶ محسنِ فن ہیں سبھی مدح سرائے اردو
دینی خدمات ہیں ان سب کی برائے اردو   محو ہیں عشقِ علیؑ میں شعرائے اردو

ابھری افکارِ قدیمی کی شبابی صورت
دے دی گل ہائے عقیدت کو کتابی صورت

غازۂ جلد[۵۷] پہ ہے خوں کی جو رنگت کا گماں ۸۷ ابھری ہے سرخیٔ تحریر لئے یہ عنواں
سرخ رُو "عشقِ علیؑ" سے ہوئے اہلِ ایماں   کربلا والوں کا بھی رنگِ شہادت ہے عیاں

نہ کبھی وقت کے دھارے میں بہے گی یہ کتاب
رنگ پائندہ ہے ، پائندہ رہے گی یہ کتاب

دو سو چورانوے گُل ہیں شعرا زیبِ کتاب ۸۸ جن کا دنیائے ادب میں نہیں ملتا ہے جواب
اک سو پینسٹھ کے ہیں افکار سے اردو پہ شباب   جن میں ہر اک ہے یمِ عشقِ علیؑ سے سیراب

خارج اردو سے سخن ان کا جو ہو جائے گا
دجلۂ اردو ادب خشک نظر آئے گا

اک قصیدہ بھی چھپا اس میں وہ الہام صفات ۸۹ ایک شہکار ہے جو عالمِ دیں کی سوغات
ناصر الملّتِ اسلامیہ آلِ عبقات   مرثیہ کہہ کے نسیم ان کا یہ بتلا گئے بات

پیروِ اسوۂ شبیرؑ حیات ایسی تھی
شاعرِ آلؑ ہے مدّاح ، یہ ذات ایسی تھی

ایسے مدّاح جو اردو کا سہارا ہو جائیں ۹۰ اک سو پینسٹھ جو باہم یہ سخن آرا ہو جائیں
جمع ہو کر یہ مشیّت کا اشارہ ہو جائیں   ایک چھ پانچ کریں، جمع تو بارا ہو جائیں

جنّتِ مدح کی اک بارہ دری ہے اردو
ذکرِ آئمہؑ سے اثنا عشری ہے اردو

راج ذہنوں پہ تو ایسے شعرا کرتے ہیں ۹۱ مدحِ مظلوم کے میداں میں قدم دھرتے ہیں
دجلۂ عشق سے مشکیزۂ دل بھرتے ہیں جو علیؑ والے ہیں، مر کر بھی نہیں مرتے ہیں
بادۂ عشقِ علیؑ جم کے جو پینا سیکھا
جی کے مرنا ہی نہیں، مر کے بھی جینا سیکھا

حمیریؒ ہوں کہ ہوں دعبلؒ کہ کمیتؒ وحسانؓ ۹۲ شیخ سعدیؒ ہوں کہ فردوسیؒ کہ ہوں وہ سلطانؒ
شمسؒ تبریز و سنائیؒ ہیں ولا کی پہچان جتنے مداحِ علیؑ ہیں، یہ ہے سب کا ایمان
عشق جب "عشقِ علیؑ"، میں ڈھلے، ایمان بنے
وسعتِ مدح میں پھیلے تو یہ قرآن بنے

وزنِ ایمان کی میزان بنا عشقِ علیؑ ۹۳ مرض اک ہے جو نفاق، اس کی دوا عشقِ علیؑ
عملی شکل میں حق کا کلمہ عشقِ علیؑ کُل عبادات کا حاصل، بخدا! عشقِ علیؑ
وادیٔ عشقِ علیؑ میں اگر انساں کھو جائے
لوٹے کانٹوں پہ تو شہباز قلندر ہوجائے

سات ولیوں کا کلام اس میں ہے پاک وطاہر ۹۴ شاملِ ذِکر ہوئے سات عرب کے شاعر
فارسی کے بھی ہیں دس شعر وسخن کے ماہر یہ کتاب ایسی ہے چومے اسے چشمِ ناظر
جذبۂ عشقِ علیؑ یوں بھی مکمّل ہوگا
سجدۂ لب سرِ جلد اب تو مسلسل ہوگا

اولیا کے ہے عقائد کی کتاب، آئینہ ۹۵ انتساب اس کا علیؑ والوں کے ناموں سے ہوا
بوذرؓ و میثمؓ و حُجرؓ ابنِ عدی اہلِ ولا قنبرؓ و ابنِ سکیتؒ آیتِ عشقِ مولا
خوں سے ان پانچوں نے سینچا چمنِ عشقِ علیؑ
یہ بھی ہیں پنجتنی پنجتنِ عشقِ علیؑ

کتنی دل کش ہے کتاب اس کو جو دیکھیں پڑھ کر ۹۶ پائیں چھتیں مضامینِ صفاتِ حیدرؑ
کُھلے ایمان و عقیدت کا سراسر دفتر رک گیا کلکِ ضمیر اتنا بالآخر لکھ کر
کس نے ، کب پایۂ مولودِ حرم کو چوما
ہاں! فقط مہرِ نبوّت نے قدم کو چوما

اک کتاب اور لکھی جو ہے کتابوں میں رئیس ۹۷ جس کا عنوان بنا "کنبہ و اولادِ انیس"
نوسو بارہ بہ عدد جس کے ہیں صفحاتِ نفیس باغِ مخلص کے ہیں جس میں گُلِ "چیدہ" بائیس
علمِ ابجد سے ملی ان کو سند ، کیا کہنا!
لفظ چیدہ کے ہیں بائیس عدد ، کیا کہنا

ہے یہ اک[۵۸] ایسی کتاب آئینۂ فکرِ جمال ۹۸ مرثیہ گویوں کے ہے ذکر سے ہر صفحہ نہال
اے وسیم! اس کو پڑھیں ہم تو یہ پختہ ہو خیال سفر نسلِ انیسی کو ملی حدِّ کمال
ہم بھی نازاں ہیں، بہ فطرت جو یہ ہم تک پہنچی
شاعری خون میں رچ بس کے قلم تک پہنچی

اے وسیم! اب سفرِ خامہ کرو ختم یہیں ۹۹ حرفِ آخر ہو وہ مقطع ،نظر آئے جو حسیں
بیت کا دوسرا مصرع ہو نشانِ تمکیں جس سے تاریخ برآمد ہو برائے تحسیں
ایک آئینۂ اوصافِ نسب ہیں یہ ضمیر
اک خطیب ، اہلِ قلم ، اوجِ ادب ہیں یہ ضمیر

______۱۹۹۵ء______

حواشی:

(۱) شمیم امروہوی۔

(۲) سیّد دیانت حسین نقوی، رئیسِ مصطفیٰ آباد (ضمیر اختر نقوی کے دادا)

(۳) علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی، سیّد شہاب الدین گردیزی کی نسل میں ہیں۔
(۴) سیّد ظہیر حسن نقوی، علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی کے والد۔
(۵) سیّد ظفر عبّاس نقوی بی۔اے علیگ، علامہ ضمیر اختر کے نانا۔
(۶) حضرتِ امام حسن عسکری علیہ السّلام۔
(۷) علاّمہ ضمیر اختر کی والدۂ ماجدہ سیّدہ محسنہ بیگم مرحومہ۔
(۸) علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف۔
(۹) علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے دولت کدے میں بہت بڑی لائبریری ہے جس میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں اور لاتعداد غیر مطبوعہ مرثیئے بھی ہیں۔
(۱۰) ''آئمہ اثناعشر'' انگریزی سے ترجمہ۔
(۱۱) ''شرف الدین شاہِ ولایت''۔
(۱۲) ''اردو غزل اور کربلا''۔
(۱۳) مجالسِ ترابی ۵ جلدیں۔
(۱۴) ''تاریخِ عزاداری''۔
(۱۵) ''اردو مرثیہ پاکستان میں''۔
(۱۶) تاریخِ مرثیہ نگاری، دس جلدیں۔
(۱۷) جناب ضیاء الحسن موسوی نے فرمایا۔
(۱۸) ''جوش ملیح آبادی کے مرثیئے''۔
(۱۹) حضرتِ جوش ملیح آبادی کے خط سے اقتباس۔
(۲۰) حضرتِ نسیم مروہوی کے ایک خط سے اقتباس۔
(۲۱) سیّد آلِ رضا اور نجم آفندی کی یاد میں دو مجلّے شائع کیئے۔

(۲۲) ڈاکٹر ماجد رضا عابدی

(۲۳) امریکن اسکالر مسٹر ورنن جیمز شوبل ورجینیا یونیورسٹی، امریکا۔

(۲۴) پروفیسر کرار حسین، سابق وائس چانسلر، بلوچستان یونیورسٹی۔

(۲۵) سیّد ہاشم رضا' کراچی۔ (سابق گورنر مشرقی پاکستان)

(۲۶) جناب وحید الحسن ہاشمی۔

(۲۷) ڈاکٹر جمیل جالبی۔

(۲۸) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل۔

(۲۹) پروفیسر حسن عسکری۔

(۳۰) ڈاکٹر صفدر حسین زیدی۔

(۳۱) ڈاکٹر نیر مسعود

(۳۲) ڈاکٹر اکبر حیدری (صدرِ شعبۂ اردو، کشمیر یونیورسٹی، سری نگری) لکھتے ہیں:-

''ضمیر اختر نقوی ایک اچھے محقق اور بہترین خطیب بھی ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں جب لکھنؤ آئے تھے تو یہاں کے سخن فہم حضرات اور ناقدین کے علاوہ پڑھے لکھے لوگوں کا خاصا مجمع ان کی مجلسیں ہمہ تن گوش ہو کر سنتا تھا۔ مجلسیں کیا پڑھتے ہیں گویا منبر پر جادو جگا رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ اور روشن دماغ سے سرفراز کیا ہے۔ ان میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو کسی ذہین، مشاق اور جینئیس انسان میں ہونا چاہئیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ ان کے دماغ میں وہ نادر اور نایاب چیزیں محفوظ ہیں جن سے وقتاً فوقتاً ہم دور افتادگان بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔ وہ ایک ادارہ اور ایک انسٹی ٹیوٹ سے کم نہیں ہیں''۔

(۳۳) ڈاکٹر کاظم علی خاں (لکھنؤ)

(۳۴) علی جواد زیدی (صدرِ اردو اکیڈمی، لکھنؤ) لکھتے ہیں:-

''ضمیر اختر نقوی کی سعیِ پیہم ایک خوش آئند مستقبل کی پیامی ہے۔ وہ ایک اچھے محقق ہیں، تحقیقی مواد کو سلیقے سے یک جا کرنے اور پیش کرنے کی صلاحیت قابلِ قدر ہے''۔

(۳۵) جگن ناتھ آزاد (صدرِ شعبۂ اردو، جموں یونیورسٹی، کشمیر) لکھتے ہیں:-

''ضمیر اختر نقوی کے علمی اور ادبی کارناموں سے پاکستان اور ہندوستان کی تمام یونیورسٹیاں اور تمام اہلِ نظر مستفید ہو رہے ہیں''۔

(۳۶) ظریف لکھنوی۔

(۳۷) ''میر انیس کی حیات اور شاعری''، تالیف: ضمیر اختر نقوی۔

(۳۸) آرزو لکھنوی۔

(۳۹) اردو سہ ماہی۔

(۴۰) ''ارشاد''، کراچی۔

(۴۱) جامِ نو۔

(۴۲) ماہِ نو۔

(۴۳) جناب ضمیر اختر نقوی ماہرِ علمِ انساب بھی ہیں۔

(۴۴) ''دبستانِ ناسخ''، تالیف: ضمیر اختر نقوی۔

(۴۵) آغازِ خطابت ۱۹۵۸ء جائزہ تا ۱۹۹۵ء کل ۳۷ برس۔

(۴۶) علاّمہ ضمیر اختر نقوی کے پانچ ہزار کیسٹ مختلف موضوعات پر محفوظ ہیں۔

(۴۷) متعدد مقامات پر عزاداری کی بنیاد رکھی۔

(۴۸) ''فدک'' کے موضوع پر ۲۵ تقاریر محفوظ ہیں۔

(۴۹) دس تقاریر ''عورت اور اسلام''۔

(۵۰) دس تقاریر ''عظمتِ ذوالفقار''۔

(۵۱) تیس تقاریر ''عظمتِ ذوالجناح''۔

(۵۲) یہاں ہر فن مولا کے معنی ماہرِ فن کے ہیں۔

(۵۳) زیارتِ کربلائے معلّٰی (عراق)۔

(۵۴) زیارتِ مشہدِ مقدّس (ایران)۔

(۵۵) یورپ اور امریکا میں آپ نے عشرے پڑھے۔

(۵۶) بے شمار تقاریر ایسی ہیں کہ منبر پر پہنچنے کے بعد مجمع سے موضوع آیا اور فی الفور تقاریر ہوئیں۔

(۵۷) ''شعرائے اردو اور عشقِ علیؑ'' جلد کا رنگ سرخ ہے۔

(۵۸) ''خاندانِ میر انیسؔ کے نامور شعراء''۔

عابد رضا (اورنگی ٹاؤن)

ہشت پہلو شخصیت

پروردگارِ عالم نے اپنی اس کائنات کو ہر قسم کی رنگینی سے آراستہ کیا اور اس رنگینی سے لطف اندوز ہونے کے لئے اشرف المخلوقات یعنی حضرتِ انسان کو پیدا کیا اور انسان کی طبیعت و مزاج کو دیکھتے ہوئے اس پر اپنے کچھ احکامات صادر فرمائے تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال باقی رہے۔ ان احکامات پر عمل کروانے کے لئے اپنے ہادی اور مصطفیٰ بندے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بھیجتا رہا۔ یہ احکامات کبھی تو صحیفوں کی صورت میں نازل ہوتے رہے اور کبھی ملائکہ حسبِ ضرورت خدا کے ابدی پیغامات و ہدایت لے کر اس کائنات میں آتے رہے۔ ایک دور تھا جب یہ سارے احکامات و پیغامات باقاعدہ کسی کتاب کی صورت میں نہیں تھے۔ پھر پروردگارِ عالم نے اسی انسان کو شعور اور آگہی بخشی، چونکہ پروردگار جس سے چاہتا ہے، اپنا کام لے لیتا ہے چاہے اس کا کوئی مذہب ہو۔ دنیا کے سارے علوم چاہے ان میں قرآنِ مجید ہو، بائبل ہو، عہدِ پارینہ کی داستانیں ہوں، قصص انبیاء ہوں، فاتحینِ عالم کے تذکرے ہوں، غمِ امروز، غمِ حالات ہوں' چاند تک رسائی، خلاؤں کی تسخیر کا علم، علم طبعیات، کیمیا، حیاتیات، عمرانیات، اقتصادیات، سیاسیات، فلسفہ و نجوم، سماجیات و ادبیات وغیرہ وغیرہ.... غرض یہ کہ ان سارے علوم کو زینت بہ کتاب اسی انسان نے کیا۔ یہ سارا کام کسی فردِ واحد کا نہیں ہے، بلکہ اس کام کو سمیٹنے کے لئے لاکھوں نفوس نے شب و روز محنت کی۔ بہر حال کتاب بن گئی اور پھر خوب صورت سے شیلف کی نذر ہو گئی۔

کتاب تو بن گئی، اب اس بے بہا علوم کو پڑھے کون؟ عوام الناس کو کون بتائے کہ کتاب کیا ہے، علم کیا ہے، اس پر روشنی کون ڈالے۔ روشنی تو وہ ڈالے جو خود مطالعہ کرے۔ چونکہ اکثر ہوتا تو یہی ہے کہ جس نے کسی بھی کتاب کی صرف ایک سطر پڑھی اور گھر سے نکل پڑا کہ چلو اپنی ایک گھنٹے کی تقریر تو

بن گئی، ہاں! دو گھنٹے اپنی لیپا پوتی پر ضرور برباد کریں گے کہ فلاں خطیب وس کوٹ جس رنگ کی پہنتا تھا، ویسی ضرور ہو۔ کپڑے تو جسم پر چاہے جیسے بھی ہوں لیکن اس کا غم نہیں، وہ تو چال میں اکڑ پیدا کر کے کسر نکال لیں گے۔ ہاں البتہ ٹوپی اپنے پیسے کی نہیں خریدیں گے، کیونکہ یہ احساس بھی رہے کہ اگر پہلی تقریر بیٹھ گئی تو ٹوپی کی رقم ضائع ہو جائے گی لہٰذا وہ اپنے کسی قریبی عالم سے مستعار لے لیتے ہیں۔ اس میں بھی راز ہے کہ اس کو بھی تو بتانا مقصود ہے کہ ہم تمہاری ٹکر پر آ گئے ہیں۔ عالم سے تو ٹکر کیا لینا تھی، ہاں! لفظِ علاّمہ سے ٹکرا گئے اور بے چارہ لفظِ علاّمہ کمزور و ناتواں سا لفظ ڈر کے مارے ان کے ساتھ چپک گیا۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ وہ لفظ ان سے تمام عمر ڈرتا ہے اور یہ اس لفظ سے اور بے علمی میں اپنی ساری زندگی جہالت کی نذر کر دیتے ہیں، صرف آواز کے خطیب، اور جب تک (ECO) ساؤنڈ سسٹم نہ ہو تو پڑھ نہیں سکتے، پتا جو ہے دودھ سے پانی الگ ہو جائے گا اور آواز بھی ایسی کہ جیسے کوئی کمانڈر اپنی کمک کو زوردار گرج کے ساتھ سلوٹ کا حکم دیتا ہے۔ راقم الحروف کیا کرے کہ یہ لہجہ تحریر میں نہیں آ سکتا، ورنہ ایسے نام نہاد خطیبوں کے جھرمٹ میں کب کہاں کسی کی دال گلے گی!

علم پھر علم ہے۔ دوسرے لفظوں میں جب چودھویں کا چاند چڑھتا ہے تو ستارے خود بخود ماند پڑ جاتے ہیں۔ اس چاند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ کہاں گئی تمہاری جھوٹی روشنی، اب کیوں نہیں چمکتے۔ ایسا ہی ایک چاند اکثر مجھ سے کہتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ خوش قسمتی سے ہم نے بھی سنا ہے اس چاند کو، دیکھا ہے۔ وہ ہیں علم و ادب کے چاند سیّد ضمیر اختر نقوی، محقق، دانش ور، شاعر، خطیب اور جانے کیا کیا۔ یعنی یوں سمجھیئے کہ سارے القابات ضمیر اختر نقوی کے سامنے ننھے ننھے ستارے محسوس ہوتے ہیں۔ ضمیر اختر نقوی نے مسلسل کتب بینی میں درِ علم سے متمسک رہ کر مطالعے کا وہ حال کر دیا ہے کہ مطالعہ ان کے گھر کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ یہ صرف تحریر ہی نہیں، بلکہ آپ کبھی ان کی کسی محفل یا مجلس میں شریک ہو دیکھیں تو دنیا آپ کو بھی چھوٹی نظر آئے گی۔ اس کو آپ ضمیر اختر نقوی کی شخصیت کا کمال سمجھ سکتے ہیں۔ میں تو یہ کہوں گا کہ آپ ضمیر اختر نقوی کو چھوڑیں، بلکہ آپ اس چاند کی روشنی کی ہلکی سی جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کے شاگرد سیّد ماجد رضا عابدی سے ملیں تو آپ کو احساس ہوگا کہ اتنی کم سنی میں علم و ادب کے کمال کے جوہر، اخلاقیات کی بلندی، زبان کی شیرینی، ردھم مضبوط اور آبِ کوثر سے دھلا ہوا گلا۔ کیا کیا خوبیاں میں بیان کروں (من آنم کہ من دانم)۔

میں چونکہ ماجد رضا عابدی کو جانتا ہوں، بلکہ یوں سمجھیئے کہ وہ مجھے جانتے ہیں، یہ میرے لئے رتبے کا باعث ہے اس لئے ماجد رضا کی لاکھوں میں سے تین، چار خوبیوں سے پردہ اٹھایا ہے، ورنہ ایسے کتنے ہی زخشندہ ستارے ضمیر اختر نقوی کا حصار کیئے ہوئے ان سے روشنی لیتے ہوئے اور جھک جھک کر سلامی دیتے نظر آتے ہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ جس طرح گزشتہ ادوار میں قومی شخصیات کی حکومت یا سلطانِ وقت عزت اور تکریم کیا کرتے تھے اور وظائف مقرر کر دیا کرتے تھے، ضمیر اختر نقوی جیسے بلند پایہ خداداد صلاحیت رکھنے والے عالمِ دین اور ریسرچ اسکالر کے لئے اور ان سے کام لینے کے لئے سرکاری سطح پر اہتمام ہوتا۔ اس کے برعکس ہوتا یہ ہے کہ ان کے راستے میں ہر طریقے سے کانٹے بچھائے جاتے ہیں۔ مجلس و محفل میں جہاں سچے کھرے مومن شرکت کرتے ہیں، وہاں کچھ شر پسند پروفیشنل بھی ہوتے ہیں۔ قبلہ دو نمبر سامعین کو برداشت نہیں کرتے۔ چونکہ جھوٹی داد و تحسین ان کو پسند نہیں، اس لئے قبلہ ان لوگوں کو زیادہ منھ نہیں لگاتے، اور جب ان لوگوں کو کچھ نہیں ملتا تو وہ الٹے سیدھے پروپیگنڈے شروع کر دیتے ہیں اور حسبِ روایت ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھر کے کسی کونے میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ چھپ کر اس لئے بیٹھتے ہیں کہ ان سے اکثر لوگ پوچھتے ہیں کل تلک تو تم واہ واہ اور سبحان اللہ کیا کرتے تھے اور آج اوٹ پٹانگ بکتے پھرتے ہو لہٰذا وہ پھر باہر نکلنا ہی بند کر دیتے ہیں۔ بہر حال یہ سلسلہ جاری ہے، اسی وجہ سے اکثر کم ظرف و ذلیل لوگ خاندانی لوگوں کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور وقتی طور پر اپنا قد بہت اونچا محسوس کرنے لگتے ہیں اور خود کو فریب دیتے چلے جاتے ہیں، دشمنی صرف قبلہ کی سچ گوئی کی وجہ سے ہے۔

اندازہ لگایئے کہ مجھ حقیر سے ناخواندہ شخص نے ضمیر اختر نقوی سے محض دو، تین ملاقاتوں میں ان کی زندگی سے متعلق چیدہ چیدہ گوشے محفوظ کر لیئے۔ اگر میرا مطالعہ مزید وسیع ہوتا تو انشاء اللہ! قبلہ پر ضرور کچھ لکھتا۔ چونکہ جو کچھ میں تحریر کر رہا ہوں، تحریر کے زمرے میں نہیں آتا، اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ میں ضمیر اختر نقوی صاحب کو خراجِ عقیدت کیسے پیش کروں، کیونکہ لکھا اسی کے لئے جاتا ہے جس نے کبھی کچھ کر کے دکھایا ہو یا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ قبلہ کی زندگی سے متعلق میرے پاس بڑے بڑے الفاظ تو نہیں اور نہ میں حد سے زیادہ کسی کو ماننے کا قائل ہوں، لیکن پھر بھی میری ایک نظر ہے، اپنا ایک خیال ہے، سوچ ہے، ایک فکر ہے۔ میں

نے جو محسوس کیا، دیکھا، لکھ دیا۔ لباس، چہرہ، چال ڈھال، گفتگو کا انداز بالکل لکھنوی تہذیب کا مرقع۔ سیکڑوں لوگوں کو اس در سے استفادہ کرتے ہوئے ہم نے دیکھا اور اکثر کو خیانت کرتے ہوئے بھی دیکھا کہ فلاں مضمون ہم نے ضمیر اختر نقوی صاحب سے نہیں لیا، فلاں حوالہ وہاں سے نہیں لیا، یہ مرثیہ وہاں سے نہیں، یہ انداز وہاں سے نہیں چرایا، یہ کاپی نہیں کی، وہ کاپی نہیں کی۔ بہرحال اس میں ان لوگوں کا قصور نہیں ہے کیونکہ یہ تو زمانے کی ہوا ہے، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو زمانہ ان پر لعنت ملامت کرے گا کہ کیسے سست آدمی ہو، ابھی تک آپ نے خیانت نہیں کی۔

بہرحال جب آپ ان سے ملیں گے تو آپ کو احساس ہوگا کہ شاید آپ نے اپنی زندگی میں ایسا قدرت کا عظیم شاہکار کم ہی دیکھا ہوگا۔ ان کی نجی زندگی ان کی سرکاری، یعنی ادبی زندگی سے بھی وزنی ہے۔ آپ یہ سمجھیں گے کہ صرف کثرتِ مطالعہ سے قبلہ اتنی عظیم ہستی بن گئے۔ میرے خیال میں ایسا ہرگز نہیں ہے، کیونکہ ہم نے پڑھے لکھے جاہل بھی بہت دیکھے ہیں۔ ضمیر اختر نقوی خود خاندانی سادات ہیں اور ان کو انتہائی ادبی ماحول میسر رہا۔ خاندانی اور شریف لوگوں میں پرورش پائی۔ آج تک دنیا کا کوئی موضوع، کوئی مسئلہ ان سے بچ کر نہیں گیا۔ گزشتہ سطور میں مَیں نے جتنے علوم کے تذکرے کیئے، قبلہ سے آپ جب چاہیں بحث کر سکتے ہیں۔ اندازِ خطابت اتنا پُرکشش کہ آپ ایک بار سن لیں تو پھر کہیں دوسری جگہ جا نہیں سکتے۔ سب سے بڑی بات تو یہ کہ مجمع میں اکثر سامعین سے واقف ہوتے ہیں۔ اکثر کے گھر مجلس یا میلاد پڑھنے کے بعد ٹیلی فون پر رائے لیتے ہیں کہ پروگرام پسند آیا یا نہیں، اگر پسند آیا ہے تو دریافت کرتے ہیں کہ بھئی ایسی کون سی بات پسند آ گئی۔ اگر جواب انکار میں ہے تو بالکل برا نہیں مانتے بلکہ دریافت کرتے ہیں کہ تقریر کا کون سا گوشہ پسند نہیں آیا، پھر اس حصّے کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ سارا کام ان کا بہترین مشغلہ ہے۔

قبلہ مختلف مجالس یا محافل میں اپنی جانب سی تبرک تقسیم کرتے ہیں۔ خیر، یہ کوئی انوکھا کام نہیں ہے۔ انوکھا کام یہ ہے کہ تبرک کی قسم کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ تاریخ کی مناسبت سے تقسیم ہو۔ سیب اور انار کی تقسیم انھی کی قائم کردہ مجالس یا محافل میں دیکھی گئی ہے۔ خصوصاً امام رضا علیہ السّلام کا وہ اپنے مومنین کے لئے تحفہ جو امام ضامن کہلاتا ہے، اپنی تاریخ کا حامل ہے۔ اس موقع پر اپنے گھر سے سیکڑوں کی تعداد میں امام ضامن تیار کر کے لانا، نہ جانے کتنے دن پہلے ہی سے وہ اس کی تیاری شروع کرتے ہیں تا کہ صحیح وقت پر اس کی تقسیم عمل میں آئے اور تقسیم کیا عمل میں آتی ہے بلکہ وہ منظر تو

دیدنی ہوگا جب خود آپ وہ روح پرور منظر دیکھیں گے۔ اس کے لئے قبلہ خود تمام حاضرین سے پہلے مقام مجلس پر تشریف لاتے ہیں۔ جیسے ہی سامعین کی آمد شروع ہوتی ہے، قبلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس مومن کے پاس جاتے ہیں اور وہ امانت اس کے سیدھے بازو کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جیسے ہی مومنین کا سلسلہ بڑھتا رہتا ہے، قبلہ بھی اپنے عمل کو تیز کرتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ تمام مومنین فیض یاب ہو جاتے ہیں۔ ایسا آپ نے کبھی نہ پڑھا ہوگا، نہ سنا ہوگا، نہ دیکھا ہوگا۔

اگر آپ کو ان کی خوبیوں کا اندازہ کرنا ہے تو ان کے پروگرام میں امام بارگاہ کے کسی بھی گوشے میں خاموش بیٹھ کر پروگرام شروع ہونے سے پہلے ان کو بغور دیکھیں۔ پہلی بات تو یہ کہ قبلہ پروگرام شروع ہونے سے پہلے تشریف لے آتے ہیں اور مجلس نوحہ ماتم مکمل ہونے تک حاضرین میں موجود رہتے ہیں۔ ہاں! تو میں ذکر کر رہا تھا کہ آپ ان کو بغور دیکھیں، پھر آپ کو ان کے قد کا اندازہ ہوگا۔ جو احقر نے محسوس کیا، ایک جھلک حاضر ہے:

مائک، مووی کیمرا، ٹیپ ریکارڈ، اسٹیج یا منبر، دریاں یا کرسیاں وغیرہ اپنے سامنے ترتیب دلواتے ہیں۔ یہ سارے کام اس خاموشی سے کرتے ہیں کہ آپ کو احساس بھی نہ ہوگا کہ یہ کون ترتیب دلوا رہا ہے۔ اس سارے سامان کی سیٹنگ ایسی نہیں ہوتی کہ جیسی آپ کہیں اور برسوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں، بلکہ انتہائی پُرسکون ماحول میں یہ کام ہوتا ہے، عام لوگوں کی طرح نہیں کہ عجیب ہڑبونگ ہوتی ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی بارعب یا سخت گیر کیوں نہ ہو، ضمیر اختر نقوی کے ٹھنڈے اور میٹھے لہجے کے سامنے وہ بے بس ہو جائے گا کہ آخر کار اس کو اپنا لہجہ تبدیل کرنا ہی پڑے گا۔ یہ سارا میٹھا اور نرم لہجہ قبلہ کا عام زندگی میں ہے لیکن منبر پر وہ منبر کا حق ادا کرتے ہیں۔

آپ نے سیکڑوں لوگوں کو پان کھاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ کبھی قبلہ کو بغور دیکھیں، خاص طور پر کبھی ایک بڑے پان سے ان کو ۱/۴ کرتے ہوئے دیکھیں تو آپ کو ان کے ہاتھوں کی نفاست اور گھماؤ دیکھ کر رشک آئے گا۔ کسی سے کوئی بات کہلوانی ہو تو ایسا طریقۂ کار کا استعمال کرنا کہ آپ بغیر کسی اشتعال کے سب کچھ کہہ جائیں گے، آپ کو احساس بھی نہ ہوگا کہ قبلہ نے آپ سے کیا پوچھ لیا ہے۔ قبلہ کے سامنے آپ کسی کی غیبت نہیں کر سکتے، کیونکہ جیسے ہی آپ نے یہ سلسلہ شروع کیا تو قبلہ کے ذرائع ابلاغ اتنے تیز ہیں کہ یہ صاحبِ معاملہ کو وہیں بلوا لیتے ہیں اور پھر غیبت تراش سے کہتے ہیں کہ اب آمنے سامنے بات کریں، اور یہ اکثر اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔

سیّد سجاد شبیر رضوی (فردوس کالونی)

تعصّبات کا خاتمہ ادبی سطح پر ممکن ہے

علاّمہ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ادب کے حوالے سے علاّمہ کا شمار برِ صغیر کے نام ور ریسرچ اسکالرز میں ہوتا ہے اور خطابت میں علاّمہ نے ایک الگ ہی مقام پایا ہے۔ علاّمہ صاحب کی تقریر اس لحاظ سے منفرد ہوتی ہے کہ علاّمہ کا گفتگو کرنے کا اپنا ایک منفرد انداز ہے اور آپ کی تقریر تاریخی حوالے سے اہمیت کی حامل ہوتی ہے کیونکہ میرا تعلق صحافت سے ہے اور میں ابھی اپنا مقام بنانے کی جدوجہد میں سرگرداں ہوں تو ایسے میں علاّمہ صاحب سے میری ملاقات کافی تقویت کا باعث ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر مجھے علاّمہ صاحب کی مزید شفقت ملی تو میں ضرور اپنا ایک مقام بنا لوں گا۔ ڈاکٹر صاحب کی محفل میں جب کوئی نوجوان بیٹھتا ہے تو وہ خالی نہیں اٹھتا بلکہ کچھ حاصل کر کے اٹھتا ہے۔ ہمیں علاّمہ صاحب سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا مگر دل میں ایک ڈر اور خوف بیٹھا ہوا تھا کہ ہم اتنی بڑی ادبی شخصیت سے سوال و جواب کس طرح کریں گے جن کے پاس لفظوں کا سمندر موجود ہے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کی خواہش کا اظہار مولانا اظہار حیدر نقوی سے کیا تو مولانا نقوی مسکرا کر کہنے لگے، ''اگر آپ ڈاکٹر صاحب سے ایک دفعہ مل لیں گے تو پھر ان کو کبھی نہیں بھول پائیں گے''۔ لہٰذا مولانا نقوی نے فون پر ہماری بات ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی صاحب سے کروائی۔ فون پر ہم نے ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو کا وقت مانگا تو ڈاکٹر صاحب کہنے لگے، ''میرے گھر کے دروازے ملت کے ہر نوجوان کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ آپ کی جب مرضی ہو، آپ فون کر کے آ جایئے''۔ ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ ہم نے اپنی زندگی میں تقریباً ڈیڑھ سو شخصیات کے انٹرویو کیئے ہیں مگر آج تک کسی نے پہلی مرتبہ وقت نہیں دیا بلکہ اپنے کو مصروف ظاہر

کرنے کی ناکام کوشش ضرور کی ہے۔

ہم دوسرے دن ڈاکٹر صاحب کے دولت کدے پر روانہ ہوئے، ہمارے ساتھ مولانا نقوی صاحب بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ ہم نے جب اپنا مکمل تعارف کرایا تو ڈاکٹر صاحب کے یہ الفاظ ہمیں بہت ہی پسند آئے کہ آپ نوجوان ہیں اور نوجوان ہر وہ کام کر سکتے ہیں جس کا وہ مضبوط ارادہ کر لیں۔ ان الفاظ سے ہمیں کافی حوصلہ ملا کہ واقعی نوجوان کی قدر و قیمت ادبی سطح پر ہے۔ ان الفاظ کے بعد ہم نے ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو کا آغاز کیا تو ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم بھی لکھنؤ میں حاصل کی اور اپنی زندگی کی پہلی مجلس بھی لکھنؤ میں پڑھی اور اب تک دنیا کے قابلِ ذکر ممالک میں خطاب کر چکے ہیں۔ تحقیق کی طرف گہرا رجحان ہے۔ اب تک تقریباً ساڑھے پانچ ہزار موضوعات پر تقاریر کر چکے ہیں جو تمام نئے اور اچھوتے ہیں۔ اب تک تقریباً ۱۱۸ کتابیں تحریر کی ہیں۔ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی کی مجلس ریکارڈ کر کے جب حروف گنے گئے تو تقریباً ستائیس ہزار الفاظ ایک گھنٹے میں مجلس میں بولے ہیں جو ایک ریکارڈ ہے۔

انٹرویو کے دوران ہم نے علاّمہ صاحب سے ایک اہم سوال یہ بھی کیا کہ ملک سے تمام تعصّبات کا خاتمہ کس طرح ممکن ہے تو علاّمہ صاحب نے فرمایا کہ ان تمام تعصّبات کا خاتمہ ادبی سطح پر ممکن ہے، اور ادب ایسا موضوع ہے جس میں مذہب، قوم، فرقہ، کچھ نہیں ہوتا اور ادب بس ادب ہوتا ہے۔ علاّمہ نے یہ شکوہ بھی کیا کہ پاکستان میں ایسا کوئی شعبۂ فنونِ لطیفہ نہیں بنایا گیا جس کی بنا پر سفارت کے فرائض ادیب، شعرا، دانش ور یا خطیب ادا کریں، اگر ان کو مضبوط کر دیا جائے تو تعصّبات دم توڑتے چلے جائیں گے۔ انٹرویو میں ہم نے اور بھی سوال کیئے اور علاّمہ صاحب نے بڑے تحقیقی اور مدلّل جوابات دیئے۔ یہ انٹرویو لاہور کے ایک ہفت روزہ میں شائع ہوا جس کے مدیر معروف صحافی جعفر علی میر صاحب ہیں لوگوں نے یہ انٹرویو بہت پسند کیا اور پورے پاکستان سے ہمیں کافی خطوط ملے جن میں علاّمہ صاحب کے بہترین جوابات پر علاّمہ صاحب کو مبارک باد دی گئی تھی۔ انٹرویو کے اختتام پر علاّمہ نے ہمیں بہت سی کتابیں بطورِ تحفہ پیش کیں، ان میں ایک بہت اہم کتاب ''شعرائے اردو اور عشقِ علیؑ'' بھی ہمیں بطورِ تحفہ دی جس کے پڑھنے کے بعد ہم نے یہ محسوس کیا کہ

مولائے کائناتؑ کے عشق میں ویسے تو شعراء نے بہت کچھ کہا ہے مگر پاکستان میں وہ تمام کلام ایک جگہ مدون نظر نہیں آ رہا تھا۔علاّمہ صاحب نے اس کتاب میں مولائے کائناتؑ کی شان میں کی جانے والی شاعری کو خوب صورت انداز میں ایک جگہ جمع کر کے واقعاً نہ صرف اردو ادب کی ایک بڑی خدمت کی ہے بلکہ یہ کتاب اردو داں طبقے کے لئے گراں قدر سرمایہ ہے۔پوری کتاب پر تبصرہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے اور نہ ہم اس قابل ہیں کہ کتاب پر تبصرہ کریں، مگر ایک طالبِ علم کی حیثیت سے جو ہماری سمجھ میں آیا ہے، وہ یہ کہ ''قرآن میں حضرت علیؑ کے فضائل'' کو جس خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے، وہ اس کتاب کا ایک اہم ترین باب ہے جس میں مولائے کائناتؑ کی ذوالفقار اور گھوڑے تک کی مدح قرآن سے ثابت کی گئی ہے۔اس کتاب کے لکھنے میں علاّمہ نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے، ان کی فہرست دیکھ کر قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علاّمہ موصوف نے اس کتاب کے لکھنے میں کتنے شب و روز صرف کیئے ہیں خاص کر غدیرِ خم کے اس اہم موضوع پر ''سرجوشِ غدیر'' سے مدح کے جو اشعار درج ہیں، پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہم ابھی اس کتاب کا بغور مطالعہ کر ہی رہے تھے کہ ہمیں محترمہ نصرت بھٹو سے ملاقات کا وقت ملا تو ہم نے یہ سوچا کیوں نہ ہم محترمہ نصرت بھٹو کو یہ کتاب بطورِ تحفہ پیش کریں لہٰذا ہم نے ملاقات کے دوران محترمہ کو یہ کتاب بطورِ تحفہ پیش کی۔ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ بیشتر سیاست دانوں کی طرح محترمہ نصرت بھٹو بھی اس کتاب کو لے کر ایک دفعہ دیکھ کر رکھ دیں گی یا اپنے پی۔اے کو پکڑا دیں گی، مگر ہمیں سخت حیرانی ہوئی کہ محترمہ نصرت بھٹو نے کتاب لینے کے بعد اور ٹائیٹل پر نام پڑھنے کے بعد اس کتاب کے ہر زاویئے کو دیکھنا شروع کر دیا اور وقفے وقفے سے اپنی گفتگو کے دوران اس کتاب کے بارے میں مجھ سے سوال و جواب کرتی رہیں اور ساتھ ہی اس کے مکمل مطالعے کا اشتیاق ظاہر کرتی رہیں۔

میری دعا ہے کہ ڈاکٹر علاّمہ ضمیر اختر نقوی اسی طرح ادب کی خدمت کرتے رہیں اور ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رہے۔

(روزنامہ ''حرّیت'' کراچی، ۱۶ ستمبر ۱۹۹۸ء)